حضرتِ ابوہریرہؓ علم کا ظرف اور زہد و عبادت اور عملِ صالح کا پیکر تھے۔

حافظِ حدیث

حضرتِ ابوہریرہؓ

ڈاکٹر ساجد امجد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئینِ کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان

حافظِ حدیث

ڈاکٹر ساجد امجد

سورج نے ابھی قد نہیں نکالا تھا کہ مسافر کے اونٹ نے مکہ مکرمہ کی دہلیز کو چوما۔ دکانیں کچھ کھل گئی تھیں کچھ کھل رہی تھیں۔ مسافر نے ایک قہوہ خانے کے سامنے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور خود اندر چلا گیا۔ بے فکرے نوجوان خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ کسی نے غور بھی نہیں کیا کہ کون آیا اور کہاں بیٹھ گیا۔ پھر چند آنکھوں نے اسے دیکھا اور کچھ لوگ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

''اجنبی معلوم ہوتے ہو؟''

''ہاں دوستو، تم نے ٹھیک اندازہ لگایا۔ میرا نام طفیل بن عمرو ہے اور میں یمن سے آیا ہوں۔ میرا قبیلہ دوس ہے جو یمن کے شمال سے جنوب تک پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلے کے دامن میں آباد ہے۔''

مسافر نے اپنی شان بڑھانے کے لیے یہ بھی بتا دیا کہ وہ اپنے قبیلے کا ایک نامور شاعر ہے۔ یہ سننا تھا کہ ان چند لوگوں نے چلّا چلّا کر دوسرے بہت سے لوگوں کو بلا لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑ لگ گئی۔

طفیل بن عمرو کو اپنا قد بڑھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے سنا تو تھا کہ اہلِ مکہ شعرا کے قدردان ہیں لیکن اس نے ایسی پذیرائی کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔ ان لوگوں کو ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس معیار کا شاعر ہے لیکن اس کے باوجود وہ شمعِ محفل بنا بیٹھا تھا۔ پروانے اس پر نثار ہو رہے

تھے اور جب ان لوگوں کے اصرار پر اس نے اپنا کلام سنانا شروع کیا تو آوازوں کی بھیڑ لگ گئی۔ تحسین کا شور بلند ہوا۔ تنقید کی ترازو ایک ایک لفظ کا وزن مقرر کرنے لگی۔ طفیل بن عمرو واقعی ایک لاجواب شاعر تھا۔

''مسافر کا ٹھکانا؟''

''ابھی تک کچھ سوچا نہیں کہ کہاں ٹھہروں گا۔''

''میزبانی کا شرف ہمیں دیجیے۔''

''میرا گھر حاضر ہے۔''

''یہ سعادت مجھے مل جائے تو کیا کہنا۔''

بہت سے لوگ آگے بڑھے لیکن ظاہر ہے، ایک وقت میں وہ ہر جگہ نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ اس نے قیافے سے جاننے کی کوشش کی کہ کس میزبان کی ہم نشینی قبول کی جائے۔ ہر چہرے پر ایسا اشتیاق دیکھا کہ جس کو انکار کرتا، دل شکنی کا مرتکب ہوتا۔ بالآخر اس نے قرعہ اندازی کا مشورہ دیا۔ قرعہ اندازی کی گئی اور قسمت نے اسے ایک میزبان کے حوالے کر دیا۔ وہ دونوں باہر نکلے اور ایک ہی اونٹ پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ کئی پے چیدہ گلیوں سے گزرنے کے بعد میزبان کا مکان آ گیا۔

اس کا میزبان کوئی زیادہ دولت مند آدمی نہیں تھا لیکن ایسا غریب بھی نہیں تھا کہ مہمان کو یہاں رہنے میں تکلیف ہوتی۔ طفیل بن عمرو نے اسی وقت سوچ لیا کہ اگر وہ کچھ دن یہاں ٹھہر جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کے میزبان پر زیادہ بار نہیں پڑے گا۔

دوپہر ہوئی اور دسترخوان بچھا تو طفیل بن عمرو کو صاف اندازہ ہو گیا کہ اس کے میزبان نے اپنی حیثیت سے بڑھ کر اہتمام کیا ہے۔ اس تکلف پر اسے شرمندگی ضرور ہوئی لیکن یہ سوچ کر چپ ہو گیا کہ وہ کسی وقت اپنے میزبان کو اس فضول خرچی سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا۔ اس دعوت میں اس کے میزبان نے کچھ اور لوگوں کو بھی مدعو کیا تھا لہٰذا وہ لوگ بھی موجود تھے۔ ان سب لوگوں کی موجودگی میں کوئی ایسی بات کرنا مناسب نہیں تھا۔

جب میزبان کے تمام دوست رخصت ہو گئے تو طفیل بن عمرو نے چاہا کہ وہ اپنے میزبان کو سمجھائے۔ اسے قائل کرلے کہ اس کا مہمان محض ایک شاعر ہے۔ ہر حال میں گزارہ کرلے گا۔ اس لیے وہ آئندہ ایسا اہتمام نہ کرے۔ ابھی وہ ہمت کر ہی رہا تھا کہ میزبان نے ایک دوسری ہی بحث چھیڑ دی۔

''میرے دوست! کیا تم نے اپنے وطن میں رہتے ہوئے کوئی نئی خبر سنی ہے؟''

''کیسی خبر میرے محترم میزبان؟''

''مکہ میں جو کچھ ہو رہا ہے، کیا اس کی خبر وہاں نہیں پہنچی؟''

''یہاں کیا ہو رہا ہے۔ میں تو جب سے یہاں ہوں کوئی خلافِ عقل بات نہیں دیکھی۔''

''کاش! ایسا نہ ہوا ہوتا۔''

''تمہارا بھلا ہو، ایسی کیا بات ہو گئی؟''

''یہاں ایک شخص محمد بن عبداللہ نے ایک نیا دین نکالا ہے۔ ہائے! اس نے تو بھائی کو بھائی سے جدا کر دیا ہے۔ وہ کوئی ایسا جادو کرتا ہے کہ جو اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے لگتا ہے، اپنے پرانے دین کو بھول کر اس کا ہو جاتا ہے۔ قبیلوں میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔ اب یہ مکہ پہلے والا نہیں رہا۔''

''مجھے بھی یہ سن کر تمہاری طرح افسوس ضرور ہوا لیکن مجھے کیا۔ میں تو اپنے ایک کام سے یہاں آیا ہوں۔ آج ہوں کل چلا جاؤں گا۔''

''تم مہمان ہو اس لیے اس مصیبت سے تمہیں آگاہ کرنا میرا فرض تھا۔ میرا مشورہ ہے کہ جب تک تم یہاں ہو، اس شخص سے ہرگز نہ ملنا اور نہ اس کی باتیں سننا۔ وہ کوئی کلام پڑھتا ہے اور سننے والے پر جادو کر دیتا ہے۔''

''تم بے فکر رہو، وہ مجھے کہاں ملے گا جو میں اس کی باتیں سنوں گا۔''

''وہ لوگوں کو گلی کوچوں میں روک کر ورغلاتا ہے۔ بس ذرا اس سے ہوشیار رہنا۔''

طفیل بن عمرو نے اپنے مہمان کی باتیں سنیں تو سوچ میں پڑ گیا۔ پھر یہ کہہ کر دل کو مطمئن کر لیا کہ اس شخص کی کوئی ذاتی دشمنی ہو گی اور یہ نہیں چاہتا ہو گا کہ میں محمد بن عبداللہ سے ملوں۔ اس شخص کے خلوص کا تقاضا ہے کہ میں اس کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھوں۔ یہ کہتا ہے تو میں محمد بن عبداللہ سے ہوشیار رہوں گا۔

دو تین دن گزر گئے۔ کوئی انوکھا واقعہ پیش نہیں آیا لیکن یہ بات اسے حیران کرنے کے لیے بہت تھی کہ جو لوگ بھی اس سے ملنے آتے ہیں وہی بات دہراتے ہیں جو اس کا میزبان اس سے کہہ چکا تھا۔ تو کیا ہر شخص ہی اس کا دشمن ہے؟ وہ اگر ایسا خطرناک جادوگر (نعوذ باللہ) ہے تو اس سے بچ کر رہنا چاہیے۔

طفیل بن عمرو یہ باتیں سن سن کر اتنا بدگمان ہو گیا کہ جب باہر نکلتا اپنے دونوں کانوں میں روئی ٹھونس لیتا کہ اگر

کسی موڑ پر محمدؐ بن عبداللہ سے آمنا سامنا ہو جائے تو ان کی باتیں میرے کانوں میں نہ پڑیں۔

ایک دن وہ حرم کی زیارت کو گیا۔ اس نے دیکھا کہ محمدؐ بن عبداللہ کعبتہ اللہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے ہیں۔ خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس روز طفیل بن عمرو کانوں میں روئی رکھنا بھول گیا تھا۔ اچٹتے سے چند جملے اس کی سماعت سے ٹکرائے اور دل میں اتر گئے۔ وہ شاعر تھا، صاحب فہم تھا۔ اچھے کلام کی قدر و قیمت سے واقف تھا۔ اس نے دل میں سوچا، یہ تو بہت اچھے شاعر ہیں۔ میں اب تک خواہ مخواہ ان کا کلام سننے سے محروم رہا۔ مجھے تو ان سے بہت پہلے ملاقات کرنی چاہیے تھی۔ برا ہو میرے میزبان کا کہ مجھے ان کی طرف سے بدگمان کر دیا۔

وہ بڑے اشتیاق سے حضرت محمد مصطفیٰؐ کو نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتا رہا اور جب آپؐ نماز ادا کر کے جانے لگے تو وہ بھی آپ کے پیچھے چل دیا۔ وہ راستے میں رک کر بات کرنا نہیں چاہتا تھا کہ کہیں اس کی خبر اس کے میزبان کو نہ ہو جائے۔ وہ آپؐ کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا آپ کے مکان تک پہنچ گیا۔ آنحضرتؐ کو احساس ہو چکا تھا کہ کوئی آپؐ کے ساتھ چلا آتا ہے لیکن آپؐ نے بھی راہ میں رک کر اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا تھا۔ گھر کے قریب پہنچ کر آپؐ نے اپنا روئے مبارک اس کی طرف پھیرا۔ چمکتا ہوا ایک چاند تھا جس کی روشنی طفیل بن عمرو نے اپنے دل میں اترتی ہوئی محسوس کی۔ گلاب کا پھول تھا جس کی خوشبو سے اس کی سانسیں آباد ہو گئیں۔ اس نے ایسا حسین آدمی اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''آپ کی قوم نے مجھے آپؐ کی طرف سے اتنا بدگمان کر دیا تھا کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تھی تاکہ آپ کا کلام میرے کانوں تک نہ پہنچنے پائے لیکن ابھی کچھ دیر پہلے آپ کی زبان سے ادا ہونے والے چند جملے میں نے سن لیے۔ آپؐ تو بہت اچھے شاعر ہیں۔'' طفیل بن عمرو نے کہا۔

''میں شاعر نہیں ہوں۔ میں تو پڑھا لکھا بھی نہیں جو کچھ تم نے سنا وہ اللہ کا کلام ہے اور اللہ ہی اسے میری زبان پر جاری کرتا ہے'' حضورؐ نے فرمایا۔

''آپؐ شاعر نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں؟ آپؐ کی زبان پر اللہ یہ کلام کیوں جاری کرتا ہے؟''

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہر دور میں اللہ کے نبی آتے رہے ہیں۔ میں بھی اللہ کا نبی ہوں۔ مجھے تلقین کی گئی ہے کہ

سوانحی خاکہ

- نام (عہد جاہلیت)........عبدشمس
- نام (بعد از اسلام)........عبدالرحمٰن
- کنیت........ابوہریرہ
- والد........عامر بن عبدذی الشرئ
- والدہ........امیمہ
- قبیلہ........دوس
- وطن........یمن
- بعد از اسلام رہائش........مدینہ منورہ
- زوجہ محترمہ........بسرہ بنت غزوان
- اولاد........محررؓ، عبدالرحمٰنؓ اور بلالؓ
- ....ایک بیٹی جس کا نام کہیں نہیں ملتا
- وفات........۵۹ ھ بہ مطابق ۶۷۹ء
- تدفین........جنت البقیع

میں لوگوں کو اس کا کلام سناؤں اور انہیں نیک کاموں کی تبلیغ کروں۔ بت پرستی اور شرک سے انہیں نجات دلاؤں۔''

''یہ تو آپؐ نے اور بھی دلچسپ بات بتائی۔ میں بھی تو دیکھوں اللہ کا کلام کیسا ہے؟ اس میں سے کچھ حصہ مجھے بھی سنائیے۔''

آنحضرتؐ نے طفیل کے طنز پر تبسم فرمایا اور اس کی تشفی کے لیے قرآن مجید کی چند صورتیں اس کے سامنے تلاوت فرمائیں۔ طفیل شاعر تھا، صاحبِ دل تھا اور قدرت مہربان ہو چکی تھی۔ اس کلام نے اثر دکھایا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

''بے شک! آپؐ ٹھیک فرماتے ہیں۔ یہ واقعی اللہ کا کلام ہے'' طفیل بن عمرو بے اختیار چیخ اٹھا ''کیا میں آپ کا دین قبول کر سکتا ہوں؟''

''اللہ نے یہی چاہا ہے تو یہی ہوگا۔ لیکن غسل کر کے اور پاک کپڑے پہن کر میرے پاس آ۔''

طفیل بن عمرو اس دولتِ بے بہا سے لدے پھندے اپنے میزبان کے گھر کی طرف چل دیے۔ وہاں جا کر غسل کیا، پوشاک بدلی اور دوبارہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ ایمان تو پہلے ہی لے آئے تھے، اب زبان سے اقرار کیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

اب مکے میں ان کا رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ ان کا میزبان اس انقلاب سے بے خبر تھا۔ ان کی مروت کو یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اس کے ساتھ رہتے رہیں۔ یہ خیال بھی تھا کہ میزبان پر یہ بات کھلے گی تو اسے دکھ ہوگا۔ انہوں نے چند روز مزید حضورؐ کی صحبت میں گزارے اور پھر اجازت چاہی۔

''مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے قبیلے میں جا کر انہیں دعوتِ حق دوں۔''

''بے شک! اللہ تعالیٰ نے یہ کام تیرے ہاتھ میں رکھا ہے۔''

''میری قوم جاہل ہے۔ بتوں کی پرستش ان کا شعار ہے۔ وہ آسانی سے ماننے والی نہیں، مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرمائیں جسے دیکھ کر وہ دعوت قبول کر لیں۔''

آپؐ نے ان کی یہ درخواست قبول کی اور دعا فرمائی۔ ''یاالٰہی! اس کو کوئی نشانی عطا فرما۔''

حضرت طفیل بن عمرو نے اپنے میزبان سے اجازت طلب کی اور مکے سے نکل کر یمن کی طرف چل دیے۔ ان کا وہی اونٹ جو برق رفتاری سے انہیں مکہ لے کر آیا تھا، واپس ہوتے ہوئے سست رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے مکے سے نکلنا اسے گوارہ نہ ہو۔ وہ اسے جتنا تیز دوڑاتے تھے، وہ اتنا ہی سست ہو جاتا تھا۔ آخر انہوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ طویل سفر مزید طویل ہو گیا۔

خدا خدا کر کے بستی کے قریب پہنچے لیکن اس وقت تک سورج نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ساری وادی اندھیرے میں ڈوب گئی۔ وہ دو پہاڑوں کے درمیان کھڑے تھے۔ انہیں بلندی سے نشیب کی طرف اتر کر بستی میں جانا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ناہموار پہاڑی راستے پر اونٹ کو نیچے لے جانا تقریباً ناممکن ہو گیا تھا کہ اچانک آپ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکنے لگا۔ وہ سمجھ گئے کہ نبی اکرمؐ کی دعا قبول ہوئی۔ اللہ نے انہیں نشانی عطا کر دی ہے۔ ہر طرف دن نکل آیا تھا اور وہ اس معجزے پر تھر تھر کانپ رہے تھے۔

حضرت طفیل نے سجدے میں سر رکھ دیا ''یاالٰہی! یہ نشانی میرے چہرے میں نہیں کسی اور جگہ منتقل کر دے۔''

زبان سے الفاظ ادا ہونے کی دیر تھی کہ ان کا کوڑا جو ان کے ہاتھ میں تھا، چمکنے لگا۔ اب یہ کوڑا مشعل کا کام دے رہا تھا۔ اس کی روشنی میں انہوں نے راستہ طے کیا اور بستی تک پہنچ گئے۔ اس وقت کوئی بھی ان کے حال سے واقف نہیں تھا نہ کسی کو معلوم ہوا کہ طفیل بن عمرو واپس آ گئے ہیں۔ ان کی بیوی، بچوں کے ساتھ اپنے باپ کے گھر گئی ہوئی تھی۔ دوسرے دن وہ گھر آئی تو طفیل کی دنیا ہی بدلی ہوئی دیکھی۔

''تم آ تو گئی ہو لیکن غسل کر کے اور کپڑے بدل کر میرے سامنے آؤ تاکہ میں تمہیں اس دین کی تعلیم دے سکوں جو میں سیکھ کر آیا ہوں۔''

''ہائے میں مر گئی۔ تم کیا سیکھ کر آئے ہو جو مجھے سکھاؤ گے۔ کیا باپ دادا کے دین سے پھر گئے ہو؟''

''میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب تم اسی وقت میری ہو سکتی ہو جب تم بھی یہ دین قبول کر لو ورنہ میری اور تمہاری راہیں الگ الگ ہیں۔''

''میرا مرنا جینا تو آپ ہی کے ساتھ ہے'' بیوی نے کہا اور غسل کرنے چلی گئی۔

اس کے بعد طفیل کے والد اس سے ملنے آئے۔ انہوں نے ان سے بھی یہی بات کہی۔ اللہ نے ان پر بھی کرم کیا۔ بیوی اور والد دونوں نے ان کے ہاتھ پر قبولِ اسلام کر لیا۔ (والدہ کے متعلق روایات میں اختلاف ہے)۔

☆☆☆

''ابوہریرہ، تم نے کچھ سنا۔ طفیل بن عمرو ''ذوالخلصہ'' (بنی دوس کا ایک بت) کو برا بھلا کہہ رہا ہے۔ لوگوں کو اس کی عبادت سے روک رہا ہے'' نوجوانوں کی ایک ٹولی نے انہیں راستے میں روک کر کہا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو بڑی عقل والا ہے۔ تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''اگر ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے تو تم خود جا کر دیکھ لو۔''

''وہ کہتا کیا ہے؟''

''وہ کہتا ہے، مکے میں ایک نبیؐ آیا ہے جو لوگوں کو اللہ کا کلام سناتا ہے۔ محمدؐ بن عبداللہ اس کا نام ہے۔''

''مجھے اس بات میں کچھ سچائی نظر آتی ہے۔''

''تو کیا تم اس سے مل چکے ہو؟''

''نہیں ...... لیکن میں نے اس نبیؐ کا نام سنا ہے۔ یاد کرو، ہمارے ہی قبیلے کے معقیب بن ابی فاطمہ دوسی اس نبیؐ کے پیروکار بن گئے تھے اور اب مکے ہی میں رہتے ہیں۔''

''کیا تم سمجھتے ہو وہ نبیؐ سچا ہے؟'' نوجوانوں نے کہا۔

''میں تھوڑا بہت پڑھا لکھا ضرور ہوں لیکن اتنی عقل نہیں رکھتا کہ اسے سچا کہہ سکوں۔ اسے جھٹلانے کا بھی کوئی

پیمانہ میرے پاس نہیں ہے۔"

"ہم نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا۔ ہم طفیل کا جینا حرام کر دیں گے۔ تم ہمارا ساتھ دو گے؟"

"کیوں نہیں۔ میں تمہارے ہی ساتھ ہوں مگر اس وقت جلدی میں ہوں۔ والدہ انتظار کر رہی ہوں گی۔"

ابو ہریرہ نے اپنی بکریوں کے ریوڑ کو آگے بڑھایا اور ان نوجوانوں سے دور ہو گئے۔

ابو ہریرہ کا اصل نام عبد شمس تھا لیکن ابو ہریرہ کی کنیت سے مشہور ہو گئے تھے۔ بچپن میں ان کے ہاتھ کہیں سے جنگلی بلی کا ایک بچہ لگ گیا تھا۔ وہ جب بکریوں کا ریوڑ لے کر جنگل جاتے تو بکریاں چرتی رہتیں اور یہ اس بچے سے کھیلتے رہتے۔ لوگوں نے جب بلی کے ساتھ ان کا یہ شغف دیکھا تو انہیں ابو ہریرہ کہہ کر پکارنے لگے۔ اصل نام کسی کو یاد بھی نہیں رہا۔

بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا تو گھر کا بار اور والدہ کی خدمت آپ ہی کی ذمے داری ہوگئی۔ گھر میں عسرت وافلاس کا دور دورہ تھا۔ وہ لوگوں کی بکریاں چرانے کے لیے جنگل میں چلے جاتے اور اس سے جو اجرت ملتی، اس سے گھر کا خرچ چلاتے۔ عام لڑکوں کی طرح اتنی فرصت ہی نہیں ملی کہ لہو لعب میں گرفتار ہوتے۔ والدہ کا اتنا خیال تھا کہ جنگل سے آنے کے بعد گھر سے نکلنے کا خیال بھی دل میں نہ آتا۔ ہر وقت والدہ کی نظروں کے سامنے رہتے البتہ انہوں نے بعض دوستوں کی مدد سے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور جوانی کی عمر کے آتے آتے شعر بھی موزوں کرنے لگے تھے۔ اس لیے ان کے دل میں طفیل بن عمرو کی بہت قدر و قیمت تھی۔

وہ اپنے ہم عمروں سے جان چھڑا کر گھر پہنچے تو والدہ بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔ انہیں خلافِ معمول کچھ دیر جو ہو گئی تھی۔ والدہ نے دیر ہونے کا سبب پوچھا تو آپ ان سے کچھ چھپا نہ سکے۔ دوستوں سے ہونے والی پوری بات انہیں بتا دی۔ یہ بات انہوں نے اس لیے بھی بتا دی کہ والدہ کا خیال بھی معلوم ہو جائے۔ والدہ نے بھی طفیل بن عمرو کو سخت سست کہا اور انہیں تاکید کی کہ وہ اس شاعر سے قطعی نہ ملیں۔

ان کے دل میں کچھ اور تھا لیکن والدہ کے خیالات سن کر چپ ہو رہے بلکہ دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ والدہ کی نافرمانی نہیں کریں گے اور طفیل بن عمرو سے نہیں ملیں گے۔ وہ کہے گا بھی تو بڑے بت کی پرستش ترک نہیں کریں گے۔

اگلے چند روز کی خاموشی کے بعد قبیلے میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ بڑے پیمانے پر طفیل بن عمرو کی مخالفت کی جانے لگی۔ انہوں نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا لیکن انہیں مسلسل ناکامی ہو رہی تھی۔ نوجوان اپنے خطرناک عزائم کی تکمیل کے لیے پر تول رہے تھے۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہا لیکن وہ ان کا ساتھ دینے پر تیار نہیں تھے۔ وہ کسی بھی شکل میں طفیل بن عمرو کے پاس جانے کو تیار نہیں تھے۔

ایک رات وہ چراغ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہے تھے کہ اچانک انہیں طفیل بن عمرو کے نئے دین کا خیال آ گیا۔ وہ آخر ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ ہمارے بزرگ جن بتوں کی پرستش کرتے چلے آئے ہیں، ان سے آخر انہیں کیا پرخاش ہو گئی؟ ان کے خیالات سے واقفیت تو حاصل کرنی چاہیے۔ وہ اتنی مخالفت کے باوجود بھی اپنی بات پر کیوں ڈٹے ہوئے ہیں۔ وہ مکہ جا کر آخر ایسا کیا دیکھ آئے؟ ان سے مل کر معلوم تو کیا جائے؟ پھر انہیں والدہ کی تاکید یاد آئی۔ اگر میں طفیل بن عمرو سے ملنے چلا گیا تو والدہ کی نافرمانی ہوگی۔ میں ان کی نافرمانی کا مرتکب ہونا نہیں چاہتا۔ انہوں نے کچھ دیر کے لیے ملاقات کا خیال دل سے

خراج عقیدت

☆......حضرت ابو ہریرہؓ اپنے زمانے میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ (امام شافعیؒ)

☆......حضرت ابو ہریرہؓ سے آٹھ سو اصحابِ علم نے استفادہ کیا۔ وہ اپنے عہد میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ (امام بخاریؒ)

☆......ابو ہریرہؓ تمام امت کے نامور حافظِ حدیث تھے۔ انہوں نے حدیث کی ایسی روایت کی جیسی سنی۔ (امام ابن تیمیہؒ)

☆......حضرت ابو ہریرہؓ حفظ و اتقان، امانت و دیانت، زہد و عبادت اور عملِ صالح کا پیکر تھے۔ انہوں نے بہ کثرت احادیث روایت کیں۔ (حافظ ابن کثیرؒ)

☆......حضرت ابو ہریرہؓ علم کا ظرف تھے اور صاحب فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ (علامہ ذہبیؒ)

نکال دیا اور کتاب پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ بے چینی نے پھر سر اٹھایا۔ کتاب ایک مرتبہ پھر ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ کوئی نادیدہ طاقت تھی جو انہیں اس ملاقات پر تیار کر رہی تھی۔ وہ بار بار اسی طاقت سے زور آزمائی کر رہے تھے۔ رات گزر گئی۔ صبح ہوئی تو حسبِ معمول بکریوں کو لے کر جنگل کی طرف چلے گئے۔ خیالوں کے تسلسل نے پھر ذہن میں جگہ بنالی۔ اس وقت فرصت تھی لہٰذا سوچنے کا موقع مل گیا۔ میں اگر والدہ کو بتائے بغیر ان سے ملنے چلا جاؤں تو کیا حرج ہے؟ نہیں، نہیں اگر کہیں سے معلوم ہو گیا تو پھر وہ میرا کبھی اعتبار نہیں کریں گی۔ بہتر یہ ہے کہ میں ان کی اجازت لے کر جاؤں۔

شام کو جب وہ ریوڑ لے کر واپس ہوئے تو فیصلہ کر چکے تھے کہ والدہ کو بتا دیں گے۔ انہوں نے صرف اس لیے منع کیا ہوگا کہ میں کہیں طفیل بن عمرو کی باتوں میں نہ آ جاؤں، ملنے میں کیا حرج ہے۔ میں والدہ کو بتاؤں گا کہ میں حقیقتِ حال جاننے کے لیے جا رہا ہوں، ان کی باتوں پر عمل کرنے کے لیے نہیں۔ اس کے بعد انہیں کیا اعتراض ہوگا؟

''طفیل بن عمرو کے بارے میں جو باتیں مشہور ہو رہی ہیں، آپ نے سنیں؟'' حضرت ابو ہریرہ نے اپنی والدہ سے پوچھا تاکہ پھر بات کو آگے بڑھایا جا سکے۔

''تو ان سے مل کر تو نہیں آیا ہے؟''

''ابھی تک تو نہیں ملا لیکن سوچتا ہوں، مل کر حقیقت تو دریافت کروں۔''

''خبردار! اس سے ہرگز نہ ملنا۔''

''کسی سے ملنا اور بات ہے اس کی بات ماننا اور بات ہے۔ مل کر دیکھوں تو سہی۔''

''بس کہہ دیا، نہیں ملنا ہے۔ سب لوگوں نے اس سے ملنا چھوڑ دیا ہے۔''

''اماں، یہی تو میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ لوگوں نے اس سے ملنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟''

''تجھے کیا پڑی ہے؟''

''میں آپ سے پوچھے بغیر بھی وہاں جا سکتا تھا لیکن میں آپ کی اجازت سے جانا چاہتا ہوں۔''

''تو ابھی بچہ ہے، اس کی باتوں میں آ جائے گا۔''

''میں اگر اس کی باتوں میں آ گیا تو سب سے پہلے آپ کو بتاؤں گا۔''

''مجھے کچھ نہیں سننا ہے۔''

''آپ کی اجازت کے بغیر چلا گیا تو پھر آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔''

''اب تو نے سوچ ہی لیا ہے تو میں تجھے روکوں گی نہیں۔''

''بس اماں، ابھی گیا اور ابھی آیا۔''

بے چراغ گلیوں میں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ بعض گھروں سے روشنی باہر نکل رہی تھی، باقی گھر اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ابو ہریرہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے طفیل بن عمرو کے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ کسی نے دیکھا بھی ہوگا تو غور نہیں کیا ہوگا اور وہ منزلِ مقصود تک پہنچ گئے۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

''کون ہے بھائی؟''

''دروازہ کھولیے۔ میں ابو ہریرہ ہوں۔''

''کس ارادے سے آئے ہو؟''

''آپ سے ملنے کا اشتیاق مجھے کھینچ لایا ہے۔''

''تمہارے ساتھ اور کون ہے؟''

''میں تنہا ہوں۔''

''ٹھہرو، میں دروازہ کھولتا ہوں۔''

دروازہ کھلا اور ابو ہریرہ اندر چلے گئے۔ طفیل بن عمرو کی بیوی اپنے دونوں بچوں کے ساتھ فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ طفیل بن عمرو نے ابو ہریرہ کا ہاتھ تھاما اور فرش پر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ ملگجی سی روشنی عجیب پُراسرار ماحول طاری کیے ہوئے تھی۔

''کہو ابو ہریرہ، کیسے آنا ہوا؟'' طفیل بن عمرو نے پوچھا۔

''آپ سے اس دین کے بابت کچھ پوچھنے کے لیے آیا ہوں جو آپ مکہ سے سیکھ کر آئے ہیں۔''

''پوچھو، کیا پوچھنا ہے؟''

''آپ کے اس دین کی تعلیم کیا ہے؟''

''اللہ ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ محمدؐ اس کے رسول ہیں۔''

''یہ تو بڑی سادہ تعلیم ہے۔''

''اس کے باوجود میرے قبیلے کے لوگ میری بات سننے کو تیار نہیں۔''

''ایک بات تو مجھے بھی کھٹک رہی ہے۔ کیا ہم اللہ کو نہیں مانتے؟''

''بالکل مانتے ہو لیکن پرستش بتوں کی کرتے ہو۔ جو مانگنا ہوتا ہے، ان بتوں سے مانگتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی ذات میں بتوں کو شریک کرتے ہو۔ خود سوچو،

پتھر کے یہ بے جان بت تمہارے کیا کام آ سکتے ہیں۔ اللہ کو ایک مانو۔ اس کی ذات میں کسی کو شریک مت کرو۔''
''کہیں ایسا تو نہیں، جن محمدؐ بن عبداللہ کا تم ذکر کر رہے ہو، ان بتوں کی جگہ انہوں نے لے لی ہو؟''
''ہرگز نہیں۔ مسلمان، محمدؐ کی پرستش نہیں کرتے۔ وہ صرف پیغام بر ہیں، ہم ان کی پیروی کرتے ہیں۔ انسان کی عظمت یہ ہے کہ وہ بے جان پتھروں کا محتاج نہ ہو۔''
اس آخری دلیل نے حضرت ابو ہریرہ کو بے حد متاثر کیا۔ انہوں نے وقار اور غیرت کے ساتھ زندگی بسر کی تھی۔ انہیں یاد آیا کہ جب وہ بت کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو ان کے وقار کو ٹھیس لگتی ہے۔ انہیں وقار کے ساتھ زندہ رہنا ہے۔ اللہ کو مانتے ہیں تو اللہ ہی کی پرستش کرنی چاہیے۔ یہ بت تو ہمارے ہی ہاتھ کے بنائے ہوئے ہیں۔ یہ خدا کے نائب کیسے ہو سکتے ہیں؟ نائب تو انسان ہے جسے خدا نے خود بنایا ہے۔ میں نائب ہو کر آقا کے احکام کی خلاف ورزی کروں، یہ غیرت کے منافی ہے۔
''مجھے تمہارا دین اپنانے کے لیے کیا کرنا ہوگا؟''
''اس وقت گھر چلے جاؤ۔ کل غسل کر کے، پورے ارادے کے ساتھ میرے پاس چلے آنا۔''
وہ طفیل بن عمرو کے گھر سے نکلے تو اندھیرا اور گہرا ہو گیا تھا لیکن دل میں اجالوں کے ستارے بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنے اشعار اپنی آواز میں گنگناتے ہوئے گھر کی طرف چل دیے۔ گھر کے قریب پہنچ کر انہیں والدہ کا خیال آیا۔ ایک لمحے کو دل میں خوف پیدا ہوا لیکن جھوٹ تو انہوں نے حالتِ کفر میں نہیں بولا تھا، اب تو اسلام قبول کر لیا تھا۔ اسلام کی حقانیت نے انہیں بے خوف کر دیا تھا۔ انہوں نے سوچ لیا کہ نہ صرف اپنے قبولِ اسلام کا اظہار کریں گے بلکہ والدہ سے بھی درخواست کریں گے کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔

ان کی والدہ کو یہ امید نہیں تھی کہ وہ ایک ہی ملاقات میں طفیل بن عمرو کی باتوں میں آ جائیں گے ورنہ وہ انہیں جانے بھی نہ دیتیں۔ اب ان کا بیٹا ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی بے خوفی انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے اب تک وہی کیا تھا جو اس کی ماں نے کہا تھا لیکن آج اتنا بڑا فیصلہ اس نے خود کر لیا تھا اور اسے اس پر شرمندگی بھی نہیں تھی۔ بے بسی کے آنسو ان کی آنکھوں سے جاری ہو گئے۔ وہ اپنے بیٹے کا ساتھ نہیں دے سکتی تھیں اور اسے چھوڑ بھی نہیں سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ ان کا تھا ہی کون؟ یہی حال ابو ہریرہ کا تھا۔ والدہ سے بے انتہا محبت کا تقاضا تھا کہ وہ انہیں اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیں لیکن وہ مسلسل انکار کر رہی تھیں۔ اس رات دونوں آنسو بہاتے رہے۔ والدہ اس لیے رو رہی تھیں کہ ان کے بیٹے نے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا اور اب نہ جانے کیا عذاب اس پر ٹوٹے۔ ابو ہریرہ اس دکھ میں رو رہے تھے کہ اگر والدہ نے اسلام قبول نہیں کیا تو کفر کی حالت میں اس دنیا سے جائیں گی۔
دوسرے دن وہ طفیل بن عمرو کے گھر گئے اور کلمہ پڑھ کر باقاعدہ اسلام قبول کر لیا اور صدقِ دل سے دعا کی کہ والدہ کو بھی قبولِ اسلام کی توفیق ہو۔
''الٰہی! اس دنیا میں میرا اور ہے کون؟ میری والدہ ہی سب کچھ ہیں۔ اگر وہ بھی مسلمان ہو جائیں تو میرے گھر کا ماحول کتنا اچھا ہو جائے گا۔ اگر دونوں اپنے اپنے دین پر رہے تو گزارا ہو تو جائے گا لیکن ہم دونوں ایک دوسرے سے بدظن رہیں گے۔ اے اللہ! مجھے ہرگز یہ گوارہ نہیں ہوگا کہ میری والدہ جہنم کا ایندھن بنیں۔''
وہ دعائیں کرتے رہے لیکن ابھی قبولیت کی گھڑی نہیں آئی تھی۔ والدہ کا پرانا ذہن اپنی روایات چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔ ایک بت انہوں نے گھر میں بھی بنا کر رکھا ہوا تھا۔ وہ دن رات میں کئی مرتبہ اس بت سے اپنے بیٹے کی سلامتی کی دعائیں کرتی تھیں۔
''اے ذوالخلصہ! میرے بیٹے کا قصور معاف کر دو۔ اس کی جان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اس کو راہِ راست پر لے آؤ۔ طفیل کا برا ہو جس نے میرے بیٹے کو ورغلا دیا۔''
ابو ہریرہ چاہتے تو اپنی اس تبدیلی کو چھپا لیتے لیکن کچھ نوجوانی کا جوش، کچھ سچ بولنے کی عادت۔ اپنے مذہب کو چھپانا گوارہ نہیں کیا۔ قبیلے کے لوگوں نے ان سے ملنا چھوڑ دیا۔ والدہ کو الگ طعنے سننے کو مل رہے تھے۔ اب صرف طفیل بن عمرو کا گھر رہ گیا تھا جہاں وہ شام ہوتے ہی چلے جاتے تھے۔ وہاں جا کر عبادت کرتے تھے اور اسلامی تعلیمات سیکھتے تھے۔
گھر میں غربت پہلے ہی سے تھی، قبیلے کے لوگوں نے بائیکاٹ کر دیا۔ ریوڑ میں کمی آ گئی۔ آمدنی جاتی رہی تو نوبت فاقوں تک آ گئی۔ یہ ایسا امتحان تھا جس سے وہ سرخرو گزر رہے تھے لیکن فکر کی بات یہ تھی کہ پورے قبیلے نے طفیل کے لائے ہوئے پیغام کو ٹھکرا دیا تھا۔ ان کے سوا کوئی بھی ایمان نہیں لایا تھا۔ قبیلے بھر میں وہ اچھوت سمجھے جا رہے

تھے۔

طفیل بن عمرو اس مایوس کن صورتِ حال سے گھبرا کر ایک مرتبہ پھر رات کے اندھیرے میں چپکے سے نکلے اور مکہ پہنچ گئے۔ نبی اکرمؐ سے اپنی مشکل بیان کی اور استدعا کی کہ آپؐ ان کے قبیلے کے لیے دعا فرمائیں۔ آپؐ نے دعا فرمائی "اے اللہ! اہلِ دوس کو ہدایت دے۔"

اسی دعا کا اثر تھا کہ طفیل بن عمرو کی زبان میں اللہ نے ایسا اثر دے دیا کہ جب وہ لوٹ کر آئے تو اہلِ دوس کے دل موم ہو چکے تھے۔ ان کا پیغام اثر دکھانے لگا اور ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ ابو ہریرہ خوش تھے کہ اب وہ قبیلے میں آزادانہ گھوم پھر سکتے ہیں۔ جتنے شریر نوجوان تھے، وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں۔

طفیل بن عمرو کا مکان اسلامی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ یہیں باجماعت نماز کا اہتمام ہوتا تھا۔ طفیل بن عمرو اپنے ان شاگردوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرتے تھے۔ انہی کی زبانی دوس کے مسلمانوں کو یہ تکلیف دہ خبریں مل رہی تھیں کہ مکہ کے اہل قریش نے مسلمانوں کا جینا دوبھر کر دیا۔ ان پر ایسے انسانیت سوز مظالم ڈھائے جا رہے ہیں جس کی مثال نہیں ملتی۔ اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ نبی اکرمؐ کے قتل کی سازشیں کی جا رہی ہیں تو وہ تڑپ اٹھے۔

"ہم اپنے پیغمبر کی حفاظت کریں گے۔"

"ان کے لیے اپنی جانیں لڑا دیں گے۔"

"افسوس! ہم ان سے بہت دور ہیں ورنہ ان سازشوں کا قلع قمع کر دیتے۔"

"وہ اور تمام مسلمان اگر یہاں آ جائیں تو کوئی ان کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔ ہمارے پاس ایک مضبوط قلعہ ہے پہاڑ ہماری حفاظت کرتے ہیں۔ ہماری بہادری پر کسی کو شک نہیں۔"

"طفیل! تم جاؤ اور حضور اکرمؐ کو یہاں آنے کی دعوت دو۔"

تمام لوگ متفق ہو گئے کہ حضورؐ یہاں آ کر ہم جاں بازوں کے ساتھ محفوظ ہو جائیں اور تبلیغ کا کام یہاں بیٹھ کر ادا فرمائیں۔ طفیل بن عمرو نے اپنے ساتھیوں کی آواز پر لبیک کہا اور اپنے اونٹ کو مکے کی طرف دوڑا دیا۔ جتنی تیز دوڑ سکتے تھے، دوڑے اور بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو گئے۔

"یا رسول اللہ! آپ ہمارے قلعے میں تشریف لے چلیے۔ دوس کا بچہ بچہ کٹ مرے گا لیکن آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گا۔"

رسولِ اکرمؐ نے ان کی پیش کش کو بہ نظرِ استحسان دیکھا لیکن شاید ابھی ہجرت کے لیے حکمِ الٰہی نہیں پہنچا تھا۔ آپؐ نے اس وقت مکہ چھوڑنا مناسب نہ سمجھا۔

طفیل بن عمرو مایوس تو ہوئے لیکن ایک نئے جذبے سے سرشار بھی ہوئے۔ انہوں نے سوچا جب حضورؐ دشمنوں میں گھرے ہونے کے باوجود تبلیغ کا کام سرانجام دے رہے ہیں تو پھر ہمیں دوس کے بت پرستوں سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔

وہ اپنے وطن واپس پہنچے تو ان کے ساتھیوں کے جذبات بھی یہی تھے۔ حضرت ابوہریرہ کا حال تو یہ ہوا کہ آنسوؤں سے چہرہ بھگولیا۔ میرے حضورؐ دشمنوں میں گھرے ہونے کے باوجود اللہ کا پیغام سنا رہے ہیں۔ انہیں اپنی جان تک کا خوف نہیں اور ہم قبیلے کے چند گھرانوں سے خوف زدہ ہیں۔ اسی وقت گھر سے نکلے اور چیخ چیخ کر لوگوں کو اسلام کی طرف بلانے لگے۔ یہ حال ہوگیا کہ ہر آنے جانے والے کے سامنے اسلام کی حقانیت کو بیان کرتے۔ کوئی ہنس کر گزر جاتا، کسی پر ان کی باتیں اثر انداز ہوجاتیں۔ گھر پہنچتے تو ماں کی جھڑکیاں سنتے۔ اب ایسا تھا کہ وہ مارنے کھڑی ہوجاتیں اور آپ سر جھکا دیتے۔ پاسِ ادب سے اف تک نہ کرتے۔

دن پر دن گزرتے رہے۔ آپ کی کوششوں سے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ دوسری طرف حضور اکرمؐ نے مکہ چھوڑ دیا اور مدینہ کو مستقر بنالیا۔ پھر معرکہ بدر گرم ہوا، جنگِ احد برپا ہوئی۔ یہاں تک کہ صلح حدیبیہ بھی عمل میں آگئی۔

۰۶ھ کا آخر تھا کہ طفیل بن عمرو نے وطن سے ہجرت کا ارادہ کیا کیونکہ اب تقریباً چارسو افراد اسلام لاچکے تھے۔ یہ ایسی تعداد تھی جن کو لے کر وہ بارگاہِ نبوتؐ میں احساسِ فخر کے ساتھ حاضر ہوسکتے تھے۔ اپنے جاں بازوں کے ساتھ فتوحاتِ اسلامی میں حصہ لے سکتے تھے۔ مرکز اسلامی یعنی حضرت طفیل بن عمرو کے مکان پر چند لوگ جمع ہوئے۔ حضرت ابوہریرہ پیش پیش تھے۔ یہاں یہ منصوبہ سب کے سامنے رکھا گیا۔ فراق کی آگ میں جلنے والے مسلمان نبی اکرمؐ کا روئے تاباں دیکھنے کے لیے کب سے بے تاب تھے۔ ہجرت کا نام سنا تو آنسوؤں کی بارش ہوگئی۔ یہ احساس ہی رلا دینے کے لیے کافی تھا کہ رحمتِ عالمؐ کے دیدار کا وقت آگیا۔ ابوہریرہ اسی وقت گھر کی طرف بھاگے۔ اس امید میں دوڑے کہ شاید اب والدہ محترمہ کے دل میں اللہ نیکی ڈالے۔ شاید اب وہ ایمان لے آئیں۔

ایک مرتبہ پھر انہوں نے والدہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ انہیں پھر مائل کیا کہ ایمان لے آئیں لیکن اس مرتبہ بھی انہیں ناکامی ہوئی۔ اب وہ اس شش و پنج میں تھے کہ مسلمانوں کے قافلے میں کافر ماں کو کیسے شامل کریں۔ چھوڑ کر جائیں تو کس کے سہارے؟

''میں اور دوسرے مسلمان وطن چھوڑ کر مدینہ جارہے ہیں جہاں مسلمانوں کی ریاست قائم ہوئی ہے، جہاں ہماری آنکھوں کی روشنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔''

''تیری ہمت اب اتنی بڑھ گئی کہ اپنے بزرگوں کی زمین چھوڑ دے گا؟''

''میرا وطن وہ ہے جو مسلمانوں کا وطن ہے۔''

''میں پہلے ہی جانتی تھی کہ طفیل بن عمرو ہمیں دربدر کرکے چھوڑے گا۔ اب میں کس کے سہارے یہاں رہوں گی؟''

''اسی لیے تو کہتا ہوں، آپ بھی مسلمان ہوجائیں۔''

''میرے بچے! میں اپنے شوہر کا دین کیسے چھوڑ دوں؟''

''اس وقت اسلام کی روشنی یہاں نہیں پہنچی تھی لیکن آپ تک تو یہ پیغام پہنچ گیا ہے۔ آپ کیوں اس نعمت سے محروم رہتی ہیں؟''

''یہ نعمت تجھے مبارک ہو لیکن میرے بچے! میں تجھے اکیلے نہیں جانے دوں گی، کیا تو مجھے نہیں لے جائے گا؟''

''میں آپ کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں لیکن آپ اسلام لے آتیں تو بہت اچھا تھا۔''

''میں تجھے حکم دیتی ہوں کہ تو مجھے مجبور مت کر۔''

''جیسی آپ کی مرضی، چلنے کی تیاری کیجئے۔''

والدہ اسلام نہ لائیں لیکن وہ انہیں تنہا چھوڑ کر نہیں جاسکتے تھے۔ آپ نے انہیں بھی قافلے میں شامل کرلیا۔ یہ قافلہ جو تقریباً چارسو افراد پر مشتمل تھا، گھربار اور وطن کو خیرباد کہہ کر عازم مدینہ ہوا۔ یہ لوگ منزلوں پر منزلیں مارتے ہوئے مدینۂ منورہ میں داخل ہوئے تو فجر کی اذان بلند ہورہی تھی۔ سب نے مسجد کا رخ کیا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ نماز کی امامت سباع بن عرفطہؓ فرما رہے تھے جنہیں آنحضرتؐ مدینہ میں اپنا نائب بنا کر چھوڑ گئے تھے۔

دوسی مسلمانوں کے چہرے اتر گئے۔ وہ چہرۂ اقدس کی

زیارت کے اشتیاق میں کئی راتوں سے نہیں سوئے تھے۔ آنکھوں میں انتظار کے چراغ جل رہے تھے۔ یہ خبر سنتے ہی سارے چراغ بجھ گئے۔ جماعت تیار تھی۔ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ سب نے نیت باندھ لی۔

نماز کے بعد یہ سوال اٹھا کہ مدینہ میں رہ کر حضورؐ کی واپسی کا انتظار کیا جائے یا خیبر پہنچ کر حضورؐ کی زیارت سے فیض یاب ہوا جائے۔

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

ایک ایک پل بھاری ہو رہا تھا۔ یہی طے ہوا کہ انتظار کرنے کے بجائے خیبر جا کر اذن باریابی حاصل کیا جائے۔ دیدار بھی ہو جائے گا اور جہاد کی سعادت بھی حاصل ہو جائے گی۔

قافلے نے ابھی آرام کے لیے کمر کھولی بھی نہیں تھی کہ عورتوں اور بچوں کو چھوڑ کر یہ لوگ خیبر کے لیے چل دیے۔ حضرت ابو ہریرہ شوق دیدار میں بے تابانہ سب سے آگے چل رہے تھے۔ ان کے اشعار سے ویرانے کی تنہائی گونج رہی تھی۔

یالیلتہ من طولہا وعنا بہا
علٰی انّہا من دارۃِ الکفر نجب

(ہائے رات کی طوالت اور مشقت کتنی بری ہے تاہم شکر ہے اس نے مجھے دارالکفر سے چھٹکارا دلا دیا)

ابو ہریرہؓ کا اشتیاق دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ اپنی سواری کو کبھی تیز دوڑاتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ ایک دائرے کی شکل میں گھوم کر قافلے سے آ ملتے۔ کبھی رقص کے انداز میں اپنی سواری کو آگے پیچھے دوڑانے لگتے۔ کبھی جھوم جھوم کر اشعار پڑھنے لگتے۔ برسوں سے آرزو تھی کہ حضورؐ کا دیدار کریں گے۔ اب یہ آرزو پوری ہو رہی تھی اور اس اعزاز کے ساتھ کہ جہاد کا موقع بھی مل رہا تھا۔ دونوں موسم ایک ساتھ اترے تھے۔

ورودِ خیبر کی نوید ملی تو اس وقت تک ایک قلعہ فتح ہو چکا تھا، مسلمان دوسرے قلعے کی فتح کے لیے محاصرہ کیے ہوئے تھے۔ گھوڑوں نے غبار پیچھے چھوڑا تو اس غیبی کمک پر شور مچ گیا۔ دوسی مہاجرین کا استقبال نعروں سے ہوا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بے تابی سے اِدھر اُدھر دیکھا، ان کی آنکھیں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ یہ تلاش اس وقت مکمل ہو گئی جب انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اس خیمے میں لے جایا گیا جہاں حضورِ پرنورؐ تشریف فرما تھے۔

''پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، بلند گردن، سرگیں چشم، باریک ابرو، کلائیاں دراز، ہتھیلیاں فراخ، انگلیاں موزوں، سینہ اور پیٹ ہموار رنگ سفید سرخی مائل، چاندی سے بدن ڈھلا ہوا تھا۔''

یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ جان و دل کس پر قربان کیا جائے۔ آنکھیں کس کی بلائیں لیں، طواف کس کا کیا جائے۔ ابو ہریرہؓ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ حضورؐ کے قدموں میں بیٹھ کر دریا بہا دیے۔ آنکھیں تھیں کہ اٹھتی نہ تھیں، دل تھا کہ دھڑکنا بھول گیا تھا۔ شادکامی کے اسی لمحے کے لیے وطن میں اتنے دن گزارے تھے۔ اب منزل سامنے آئی تو بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیے۔ اسلام تو وہ اپنے وطن ہی میں لے آئے تھے۔ لیکن دستِ مبارکؐ پر بیعتِ اسلام کا شرف حاصل کرنے کی بات ہی اور تھی۔

مسلمان لشکر الکتیبہ نامی قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ آنحضرتؐ نے دوسی مجاہدین کی ضرب المثل بہادری کے پیشِ نظر انہیں اسلامی فوج کے میمنہ پر مقرر فرمایا۔ اس طرح حضرت ابو ہریرہؓ کو غزوۂ خیبر میں شرکت کی سعادت نصیب ہو گئی لیکن یہ سعادت لڑائی کے آخری مراحل میں نصیب ہوئی کیونکہ دو تین دن کے اندر یہودیوں کے سارے قلعے فتح ہو گئے۔

خیبر سے واپسی کا وقت قریب آیا تو حضرت ابو ہریرہؓ حضورِ پرنورؐ کے ہمراہ بطور خادم پابہ رکاب تھے۔ خیبر اور تیما کے درمیان ایک نہایت سرسبز وادی القریٰ تھی۔ آپؐ نے اس وادی میں چند دن قیام کا ارادہ فرمایا۔ یہاں کے یہودیوں نے جب دیکھا کہ مسلمان یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں تو جنگ کی ابتدا کر دی لیکن وہ خیبر کی فتح کے بعد مسلمانوں سے اتنے خوف زدہ تھے کہ ان کی ہمت ان کے ہتھیاروں سے دور کھڑی تماشا دیکھ رہی تھی۔ معمولی سے مقابلے کے بعد انہیں شکست ہو گئی اور انہوں نے نصف زرعی پیداوار سالانہ پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ ابو ہریرہؓ کو ایک اور غزوۂ مبارک میں شرکت کی سعادت حاصل ہو گئی۔

ان غزوات سے عہدہ برآ ہونے کے بعد جب آپؓ وارد مدینہ ہوئے تو یہ سوال آیا کہ وطن واپس جایا جائے یا اب مدینہ ہی وطن عزیز ہے۔ بہت سے دوسی مہاجرین واپس چلے گئے تھے لیکن ابو ہریرہؓ کے قدموں نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔ اب دامنِ رسولؐ چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔ اسی مٹی میں مل کر مٹی ہو جانا ہے۔ انہوں نے مستقل قیام کا فیصلہ

کرلیا۔ ان کی والدہ ابھی تک مشرکانہ خیالات سے چمٹی ہوئی تھیں۔ انہوں نے سنا کہ ابوہریرہؓ مدینے میں رہنے کا فیصلہ کرچکے ہیں تو انہوں نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے ایک مرتبہ پھر انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔ اسلام کے محاسن بڑے دل نشیں پیرائے میں سمجھائے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ انہوں نے اس شرط پر مدینے میں رہنے کی حامی بھرلی کہ وہ اپنے آبائی دین پر قائم رہیں گی۔ حضرت ابوہریرہؓ ان کی حالت پر کفِ افسوس ملتے ہوئے گھر سے باہر آگئے۔ سر جھکائے ہوئے چلے جارہے تھے کہ مسجد نبویؐ کی طرف نکل آئے۔ مقدس اصحاب صفہ حصول علم میں مشغول تھے۔ ان درویش طالب علموں کے تن پر معمولی کپڑے تھے، چہروں سے بھوک جھلک رہی تھی لیکن ان کا ذوق علمی قابلِ دید تھا۔ ان میں بیشتر وہ تھے جن کا نہ گھربار تھا اور نہ کوئی ذریعۂ معاش۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو قرآن وسنت کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے وقف کردیا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ بڑی دیر تک ان اصحاب کو بڑے اشتیاق سے دیکھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے تحصیلِ علم کا شوق ان کی فطرت میں ودیعت کیا تھا۔ انہوں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا کہ وہ اپنی زندگی حصول علمی کے لیے وقف کردیں گے۔ پھر یہ سوچ کر ان کی آنکھیں ستارہ بن گئیں کہ اس طرح نہ صرف علم کا دروازہ ان پر کھل جائے گا بلکہ رحمتِ عالم، سرکاردوعالمؐ کا ہمہ وقت قرب حاصل رہے گا۔ آپؐ کی خدمت کا شرف حاصل ہوتا رہے گا۔

وہ ابھی اس خوش کن خیال کے رنگوں سے سرشار ہو ہی رہے تھے کہ اسی وقت معلم کائنات حضرت محمد مصطفیٰؐ مسجد کے مشرق میں بنے ہوئے دالان (جسے صفہ کہتے تھے) میں تشریف لائے اور اصحابِ صفہ کے درمیان بیٹھ گئے۔ تمام اصحابؓ نے اس طرح حلقہ بنالیا کہ ہر ایک کو آپ کا چہرۂ انورؐ دکھائی دیتا رہے۔ حضرت ابوہریرہؓ دوڑتے ہوئے گئے اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے تھے۔

''اے غریب مہاجرین! تم کو قیامت کے دن ایک مکمل نور کی بشارت ہو اس لیے کہ تم مال داروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔''

حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے اردگرد نظر ڈالی۔ اصحابِ صفہؓ کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے پاس تہبند اور چادر دونوں چیزیں ہوں۔ ایک چادر کو اپنے گلے میں اس طرح باندھ لیتے تھے کہ بعض کے نصف ران تک لٹک آتی تھی اور بعض کے ٹخنوں تک پہنچی ہوئی تھی۔ ان کی حالتِ زار دیکھ کر حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی زندگی کا مقصد متعین کرلیا۔ انہوں نے سوچ لیا کہ وہ کسی کاروبار یا نوکری میں وقت ضائع کرنے کے بجائے تحصیل علم میں شب وروز گزاریں گے۔ جب یہ لوگ فقروفاقہ میں گزر کرسکتے ہیں تو وہ کیوں نہیں کرسکتے؟

نماز کا وقت ہوا تو حضور اکرمؐ کی اقتدا میں نماز ادا ہوئی۔ نماز کے بعد بعض صحابہؓ نے حضورؐ سے دست بستہ عرض کیا ''یارسول اللہ! کھجوریں کھاتے کھاتے ہمارے پیٹ جل گئے ہیں۔''

حضور اکرمؐ کی طرف اہل صفہ کے لیے کھجوریں آتی تھیں۔ یہ کھجوریں ہی ان اصحاب کی بھوک کا علاج ہوتی تھیں۔ اس وقت یہ اصحاب یہی شکایت کررہے تھے۔

حضور اکرمؐ ان کی باتیں سنتے رہے اور پھر منبر پر تشریف لے گئے۔ اللہ کی حمدوثنا کے بعد آپؐ نے ان تکلیفوں کا ذکر کرنا شروع کیا جو آپؐ پر آپؐ کی قوم کی طرف سے پہنچی تھیں۔

''مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر دس راتیں ایسی گزریں کہ ہمارے پاس سوائے پیلو کے درخت کے پھل کے اور کچھ نہیں تھا۔ پس ہم نے اپنے وطن سے ہجرت کی اور اپنے انصار بھائیوں کے پاس آئے جن کا بہترین کھانا کھجور ہے۔ انہوں نے ہماری مدد کھجور سے کی۔ خدا کی قسم، اگر مجھے روٹی اور گوشت میسر ہوتا تو تم کو ضرور کھلاتا لیکن سردست یہ میسر نہیں ہے تاہم وہ زمانہ جلد آنے والا ہے جب تم کعبے کے پردے جیسے کپڑے پہنوگے اور صبح وشام طشت میں کھاؤ گے۔''

''یارسول اللہ! ہمارے لیے موجودہ زمانہ اچھا ہے یا آسودگی کا دور اچھا ہوگا؟'' نمازیوں نے دریافت کیا۔

''موجودہ زمانہ ہی خیروبرکت کا عہد ہے جس میں تم باہم انس ومحبت سے رہتے ہو'' آنحضرتؐ نے فرمایا۔

اب تک ہونے والی گفتگو نے حضرت ابوہریرہ کے عزم کو مزید پختہ کردیا۔ انہیں یہ اندازہ ہوگیا کہ رسولِ اکرمؐ اصحاب صفہ سے نہایت شفقت سے پیش آتے ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اہلِ صفہ پر صعوبت زندگی گزار رہے ہیں۔ انصار مدینہ اپنے باغوں سے کھجور کے گوشے لاتے ہیں اور مسجد نبوی میں لٹکادیتے ہیں تاکہ اصحاب صفہ ان کھجوروں سے اپنی شکم پری کرسکیں۔ کہیں سے صدقے کا کھانا آتا تو وہ بھی اصحاب صفہ میں تقسیم ہوجاتا۔

اکثر فقر و فاقہ میں گزرہوتی۔ ابھی آئندہ ہونے والی فتوحات اور مالِ غنیمت کے انبار لگنے شروع نہیں ہوئے تھے۔ یوں بھی مزاجوں میں سادگی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ نے طالبِ علم کی زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرف رغبت اس لیے بھی ہوئی کہ آنحضرتؐ کا دیدار سرمۂ چشم بنا رہے گا۔ آپؐ کی خدمت کا موقع ملتا رہے گا۔ یہی اصحاب صفہ جہاد میں بھی پیش پیش رہے تھے۔ شہادت کے شوق نے بھی انہیں مسجد نبویؐ کے دالان سے اٹھنے نہ دیا۔

آپ نے اسلامی دنیا کی اس پہلی یونیورسٹی میں داخلہ لیتے ہی علمی مدارج تیزی سے طے کرنے شروع کر دیے۔ یہ مدارج انہیں صرف عالم بنا سکتے تھے جبکہ وہ کچھ اور بننا چاہتے تھے۔ ان کے مقدر میں دریائے رسالتؐ کی چند لہریں نہیں تھیں۔ خزینۂ علم کے چند موتی نہیں تھے۔ ان کی آرزو تو سرچشمۂ ہدایت کا منظورِ نظر بننا تھا۔ انہوں نے اپنے نصاب میں خدمتِ رسولؐ کو شامل کر لیا۔ حضورؐ وضو فرماتے تو آپ لوٹا بھر کے لاتے۔ حضورؐ کہیں جانے کے لیے سوار ہوتے تو آپ سہارا دیتے۔ آپؐ کے کپڑے رفو کرتے، آپؐ کے بالوں میں تیل ڈالتے، کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈتے کہ خدمت کا موقع مل جائے۔ یہ خدمت بھی محض خدمت نہیں تھی۔ چلتا پھرتا کتب خانہ ہاتھ آ گیا تھا۔ آپؐ کے ارشادات سنتے اور اسے یاد رکھتے۔ کوئی سوال پوچھتے اور جواب ذہن نشین کر لیتے۔ دوسرے طالبِ علموں کی تعلیم تو مسجد نبویؐ کے دالان تک محدود تھی لیکن آپ دن بھر اور رات کے ایک بڑے حصے تک حصول علم میں مشغول رہتے۔ دوسرے بہت سے طالب علم تو اہل وعیال والے تھے۔ روزی کمانے کے لیے کوئی نہ کوئی کام بھی کر لیتے تھے لیکن ابوہریرہؓ نے تو اپنے آپ کو آستانۂ نبوتؐ تک محدود کر لیا تھا۔ گھر جا کر بھی کیا کرتے۔ والدہ ابھی تک مشرک تھیں اور اکثر حضور اکرمؐ کے لیے نازیبا الفاظ منہ سے نکال دیا کرتی تھیں۔ جنہیں سن کر ابوہریرہؓ کے دل کو ٹھیس لگتی مگر والدہ کا ادب تھا کہ دل مسوس کر رہ جاتے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے حضور اکرمؐ کی خدمت اس خلوصِ دل سے کی کہ حضورؐ انہیں سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھنے لگے۔ کسی غزوے میں شریک ہوتے تو ابوہریرہؓ آپؐ کے ہمراہ پابہ رکاب ہوتے۔ کہیں آپؐ قیام فرماتے تو ابوہریرہؓ ان کے قدموں میں رہتے۔ رسول اکرمؐ کو آپ پر اتنا اعتماد ہو گیا تھا کہ جب آپؐ اصحابِ صفہ میں کوئی چیز تقسیم فرمانا چاہتے تو حضرت ابوہریرہؓ کی وساطت سے تقسیم فرماتے اور اگر اصحاب صفہ کو کسی جگہ بلانا چاہتے تو اکثر حضرت ابوہریرہؓ کو ارشاد فرماتے کہ انہیں بلا لاؤ۔ اسی طرح آپؐ کبھی کبھی حضرت ابوہریرہؓ کو بطور خاص کوئی حدیث سناتے اور پھر انہیں حکم دیتے کہ اس حدیث کا عام لوگوں میں اعلان کر دو۔ حضرت ابوہریرہؓ کے لیے یہ اعزاز کم نہیں تھا کہ وہ خادمِ رسولؐ کے مرتبہ اعلیٰ پر فائز تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ ایک درویش طالب علم کی زندگی گزار رہے تھے۔ انہیں نہ کھانے کا شوق تھا نہ پہننے کا۔ حضورؐ کی خدمت میں مشغول رہتے اور ارشادات پر کان لگائے رہتے۔ جو سوال ذہن میں آتا بلا جھجک پوچھ لیتے۔ وہ سوال پوچھنے میں اتنے جری تھے کہ آپؐ سے ایسی باتیں بھی پوچھ لیتے جن کے پوچھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ حضور اکرمؐ بھی ان کے اشتیاقِ حدیث سے واقف تھے چنانچہ جب ایک موقع پر انہوں نے آپؐ سے پوچھا کہ "یارسول اللہ قیامت کے دن آپؐ کی شفاعت سے کون خوش بخت سعادت اندوز ہوں گے" تو آپؐ نے فرمایا "جب سے میں نے تمہاری حرصِ حدیث کا اندازہ کیا ہے تو مجھے یقین ہوا کہ تمہارے سوا کوئی دوسرا شخص اس بارے میں مجھ سے سوال نہیں کرے گا۔"

وہ اس اعتماد پر یونہی پورے نہیں اترتے جا رہے تھے۔ اس راہ میں وہ صعوبتوں کے پہاڑ کاٹ رہے تھے۔ ان کے پاس اوڑھنے کی چادر تک نہ تھی۔ بس ایک کمبل تھا جسے اپنی گردن میں باندھے رہتے۔ کئی کئی دن کے فاقے گزر جاتے۔ جب بھوک لگتی تو کسی صاحب سے قرآن کی کوئی آیت پوچھتے۔ مقصد یہ ہوتا کہ شاید وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کھانا کھلا دیں گے۔

ایک روز بھوک کی شدت نے زور باندھا۔ کمر سیدھی نہ ہوتی تھی۔ پیٹ پر چند پتھر باندھ لیے تھے۔ ضعف کی وجہ سے کھڑا نہ ہوا گیا تو ایک جگہ کہنی زمین پر ٹیک کر نیم دراز ہو گئے۔ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے قرآن مجید کی ایک آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ مقصد یہ تھا کہ وہ ساتھ چلنے کو کہیں گے اور کچھ کھلا دیں گے لیکن انہوں نے آیت تو بتا دی لیکن ساتھ چلنے کو نہ کہا، یوں ہی گزر گئے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ گزرے انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت ابوہریرہ مایوس ہو گئے۔ بھوک نے مزید شدت اختیار کی۔ بے ہوش ہو جانے کے قریب تھے کہ رحمتوں کا بادل برسنے لگا۔ رسول

اللہ آتے دکھائی دیے۔ انہوں نے کسی کو زمین پر پڑے دیکھا تو آواز دی۔

''ابو ہریرہ۔''

''میں حاضر ہوں یارسول اللہ۔''

''کس حال میں ہو؟''

''مجھے بھوک یہاں لٹا گئی ہے۔''

''میرے ساتھ آؤ'' آپؐ نے فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ اٹھنے کی طاقت نہ رکھتے تھے لیکن اس حکم میں ایسی تاثیر تھی کہ بدن میں طاقت آ گئی۔ اٹھے اور آپؐ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے خانۂ اقدس تک آ گئے۔ ایک بڑے پیالے میں دودھ رکھا ہوا تھا۔ ابو ہریرہؓ خوش ہو گئے کہ یہ تمام دودھ انہیں پینے کو مل جائے گا۔

''ابو ہریرہؓ! اہلِ صفہ کے پاس جاؤ اور سب کو بلا لاؤ۔''

حکم رسالتؐ تھا۔ انکار کی تو گنجائش نہیں تھی لیکن دل میں یہ خیال ضرور آیا کہ بھلا اتنے سے دودھ سے تمام اہل صفہ کا کیا بنے گا؟ قطرہ قطرہ بھی سب کے حصے میں نہیں آئے گا۔ تعمیلِ حکم ضروری تھی۔ وہ اہلِ صفہ کے پاس گئے اور سب کو بلا لائے۔

''ابو ہریرہ! اس پیالے کو لو اور ہر شخص کو دودھ پلاؤ۔''

حضرت ابو ہریرہؓ باری باری ہر شخص کو دودھ پلانے لگے اور یہ دیکھ کر حیران ہونے لگے کہ ہر شخص خوب سیر ہو کر پی رہا ہے لیکن دودھ اتنا کا اتنا ہی تھا۔

جب تمام لوگ پی چکے تو حضورِ اکرمؐ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔

''اب میں اور تم باقی رہ گئے۔''

''جی ہاں یارسول اللہ۔''

''لو، اب تم پیو۔''

آپؐ فرماتے رہے کہ پیو، اور پیو، اور پیو اور ابو ہریرہؓ پیتے رہے۔ یہاں تک کہ پیٹ میں گنجائش نہ رہی۔ دودھ اتنے کا اتنا ہی تھا۔ انہوں نے پیالے سے لب جدا کر لیے۔

''یارسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا۔ اب مزید کی گنجائش نہیں ہے۔ میں اور نہیں پی سکتا۔''

''اچھا، پھر مجھے دو'' آپؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا اور پیالہ ان کے ہاتھ سے لے کر باقی دودھ خود پی لیا۔

''اے ابو ہریرہ! تمہارے ساتھی مالِ غنیمت کا سوال کرتے ہیں۔ تم کیوں اس کا سوال نہیں کرتے؟'' آپؐ نے ان کی تنگ دستی کا خیال کرتے ہوئے ان سے پوچھا۔

''یارسول اللہ! میں آپؐ سے اس علم کا سوال کرتا ہوں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے'' حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا اور گردن جھکالی ''یارسول اللہ! میں آپ سے بہت سی روایات سنتا ہوں لیکن حافظے کی کمزوری کی وجہ سے آپ کے بعض ارشادات بھول جاتا ہوں۔''

''اچھا، اپنی چادر بچھاؤ۔''

حضرت ابو ہریرہ نے اپنی چادر کا کونا بچھادیا۔ آنحضرتؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے لپ بنا کر اس چادر میں ڈال دیا اور پھر فرمایا کہ اس چادر کو لپیٹ کر اپنے سینے سے لگاؤ۔ انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کے بعد سے آپؓ حضورِ اکرم کا کوئی ارشاد کبھی نہیں بھولے۔

لطف و کرم کے پھول مسلسل برس رہے تھے۔ مسکین ابو ہریرہؓ مزید مسکین ہو گئے۔ اب تو یہی دھن رہنے لگی کہ حضورؐ کے ارشادات سے فیض یاب ہوتے رہیں اور انہیں یاد رکھتے رہیں۔ اس کے مواقع بھی انہیں خوب خوب مل رہے تھے۔ اور لوگ تو صبح، شام ہی دربار نبیؐ میں حاضری دیتے، ابو ہریرہؓ ہر وقت مجلس نبیؐ میں حاضر رہتے۔

صعوبتوں کی دھوپ ابھی کم نہیں ہوئی تھی۔ فاقوں کے دن طویل تھے لیکن انہوں نے تو اپنی راتوں کو بھی طویل بنالیا تھا۔ وہ ایک تہائی رات میں نماز پڑھتے تھے، ایک تہائی میں آرام کرتے تھے اور ایک تہائی میں احادیث کا ورد کیا کرتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اپنے قوی حافظے کی بدولت وہ صحابۂ کرامؓ میں سب سے بڑھ کر حافظ حدیث ہو گئے۔

دوسرے اصحاب صفہ کی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں تھا۔ ضروریاتِ زندگی کی طرف سے خالی الذہن ہو کر حضورِ اکرمؐ کے ارشادات گرامی سننے کے لیے شب و روز بارگاہ نبوتؐ میں بیٹھے رہتے۔ بسا اوقات فاقے پر فاقے گزرتے لیکن لذتِ سماعت حدیث تھی کہ اٹھنے نہیں دیتی تھی۔

ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے اور منبر رسولؐ کے درمیان غش کھا کر گر پڑے۔ بہت سے اصحابِ صفہ دوڑتے ہوئے آئے اور ان کے سرہانے بیٹھ گئے۔

''میں مجنوں نہیں ہوں بلکہ بھوک کی وجہ سے غش آ گیا ہے'' انہوں نے ہوش میں آنے کے بعد کہا۔

''ہم سب کی حالت بھی تم سے جدا نہیں۔ آؤ رسولِ اکرمؐ کے پاس چلتے ہیں۔''

''اس وقت کیسے آنا ہوا؟'' حضور اکرمؐ نے فرمایا۔
''ہمیں بھوک کھینچ لائی ہے۔''
اس وقت اتفاق سے کسی جگہ سے کچھ کھجوریں آئی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے کھجوروں کا طباق منگوایا اور ہر شخص کو دو دو کھجوریں دے کر فرمایا ''یہ دو دو کھجوریں تمہیں آج کے لیے کافی ہوں گی۔''
حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے حصے کی ایک کھجور کھالی اور دوسری اپنے دامن میں رکھ لی۔ حضورؐ دیکھ رہے تھے کہ ایک کھجور انہوں نے بچا کر رکھ لی ہے۔
''ابو ہریرہ! یہ دوسری کھجور تم نے کس کے لیے اٹھا کر رکھ لی؟''
''یارسول اللہ! یہ میں نے اپنی والدہ کے لیے اٹھا کر رکھی ہے۔''
''تم اس کو کھالو۔ ہم تمہاری والدہ کے لیے بھی تمہیں دو کھجوریں دیں گے۔''
حضرت ابو ہریرہؓ نے وہ کھجور بھی کھالی۔ حضورؐ نے ان کی والدہ کے لیے دو کھجوریں مزید عنایت کر دیں۔ آپ نے خوشی خوشی وہ کھجوریں لیں اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔
گھر پہنچ کر والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ دو کھجوریں والدہ کے سامنے رکھ دیں۔ والدہ نے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی اور ابو ہریرہؓ یہ سوچنے لگے کہ اب یہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئی ہیں، کیا ہی اچھا ہوتا کہ اسلام لے آتیں۔ میں خادم رسولؐ ہوں اور میری والدہ ابھی تک مشرک ہیں۔ مسلمان عورتیں ان سے ملنا تک گوارا نہیں کرتیں۔ میرے ساتھی مجھے طعنے دیتے ہیں۔
''آپ جس نبیؐ کو نبی ماننے پر تیار نہیں، یہ کھجوریں اسی کی عطا کردہ ہیں۔ وہ کیسے کرم نواز ہیں کہ آپ کے لیے مجھے دو کھجوریں الگ سے دے کر رخصت کیا ہے۔''
''ان کھجوروں سے کیا ہوگا۔ تو اگر کسی اور کی نوکری کرتا تو ہم عیش کرتے۔''
''ان کی خدمت سے مجھے جو کچھ ملتا ہے اس کا آپ تصور نہیں کر سکتیں۔ کاش، آپ بھی اسلام لے آتیں۔ میں اب بھی کہتا ہوں کہ میرے ساتھ نبی اکرمؐ کے پاس چلیے اور اپنے ایمان کا اعلان کر دیجیے۔''
وہ ہمیشہ انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے اور وہ ہمیشہ اس پیغام کو ٹھکرا دیتی تھیں لیکن اس دن تو وہ ایسی بھری بیٹھی تھیں کہ خود رسولِ اکرمؐ کی شان میں بھی بہت برے الفاظ کہہ بیٹھیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے دل کو ایسی ٹھیس پہنچی کہ روتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ پورا واقعہ سنایا اور والدہ کے حق میں دعا کی درخواست کی۔
''یارسول اللہ! بارگاہ ایزدی میں دعا کیجئے کہ وہ رحیم و کریم میری والدہ کو قبولِ حق کی توفیق دے۔''
حضور اکرمؐ نے اسی وقت دعا فرمائی ''الٰہی! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔''
حضورؐ نے دعا فرمانے کے بعد ابو ہریرہؓ کو گھر جانے کی ہدایت کی۔ وہ گھر واپس آئے تو دیکھا، دروازہ بند ہے اور اندر سے پانی گرنے کی آواز آرہی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ غسل کر رہی ہیں۔ ابو ہریرہؓ دروازہ کھلنے کے انتظار میں دروازے کے سامنے ٹہلنے لگے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے دوبارہ دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس دستک پر دروازہ کھل گیا۔ آپ نے جیسے ہی گھر کے اندر قدم رکھا، والدہ کی آواز نے حضورؐ کی دعا کی تعبیر دکھا دی۔
''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔''
حضرت ابو ہریرہؓ فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے۔ خوشی کے آنسو ان کی آنکھوں سے رواں ہو گئے۔
''اے میری ماں! اللہ کی آپ پر سلامتی، رحمت اور برکتیں ہوں۔''
''اے میرے فرزند! تم پر بھی اللہ کی سلامتی، رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔''
''اماں جان! اللہ آپ کو بہتر بدلہ دے کہ آپ نے مجھے بچپن میں پالا پوسا۔''
''اے بیٹے! اللہ تجھے بھی اچھا بدلہ دے کہ تو نے بڑے ہو کر میرے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا۔''
''آپ ذرا بیٹھیں۔ میں اپنے آقا حضرت محمدؐ کو یہ اچھی خبر سنا آؤں کہ آپ قبول اسلام کی سعادت سے بہرہ یاب ہو چکیں۔''
خوشی سے لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ ایک مرتبہ پھر بارگاہ نبوتؐ میں پہنچ گئے ''یارسول اللہ! بشارت ہو کہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے میری ماں کو ہدایت بخشی۔''
''شکر ہے اللہ تعالیٰ کا'' حضورؐ نے فرمایا۔
''یارسول اللہ! دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ سب مومنین اور مومنات کے دل میں میری اور میری والدہ کی محبت پیدا

کر دے۔"

حضور اکرمؐ نے دعا فرمائی۔ آپؓ کو یقین تھا کہ حضورؐ کی یہ دعا بھی مقبول ہوگی اس لیے طمانیت قلب کے ساتھ اٹھے اور جتنے خوش گئے تھے اس سے زیادہ خوش لوٹے۔

اس طرف سے بے فکر ہو جانے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ اور زیادہ تندہی کے ساتھ حصولِ علم میں مشغول ہو گئے۔ اب والدہ کی طرف سے بھی حوصلہ افزائی ہو رہی تھی لہٰذا کئی کئی دن گھر نہ جاتے۔ نیند آتی تو اہل صفہ کے درمیان پڑ کر سو جاتے۔ جب موقع ملتا حضور اکرمؐ کی خدمت میں باریاب ہو جاتے۔ دل کا برتن علم کے ساز و سامان سے آراستہ ہوتا جاتا تھا۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ وغیرہ علوم ان کی دسترس میں آ گئے۔ مادری زبان عربی تھی لیکن فارسی میں بھی ایسی مہارت حاصل کر لی کہ بے تکلف گفتگو فرمانے لگے۔ رسول اکرمؐ کے ارشادات سننے اور انہیں یاد رکھنے کا اس قدر شوق تھا کہ اس کی حد و نہایت نہیں تھی۔ یہی کوشش رہتی کہ سفر ہو یا حضر، اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ بارگاہ رسالتؐ میں گزاریں۔ اس شوق کے سامنے دنیا کا مال و زر ان کی نظروں میں ہیچ تھا۔

ایک مرتبہ تو حد ہی ہو گئی۔ حضور اکرمؐ کی طبیعت ناساز تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ عیادت کے لیے حاضر ہوئے۔ شرفِ باریابی ملا تو سلام کر کے ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ اس وقت نبی کریمؐ حضرت علیؓ کے سینے سے ٹیک لگائے تشریف فرما تھے۔ آپؐ کے پاؤں پھیلے ہوئے تھے۔

"ابو ہریرہ! میرے قریب ہو جاؤ" حضورؐ نے فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہؓ قریب ہو گئے۔

"ابو ہریرہ! میرے قریب ہو جاؤ۔"

ابو ہریرہؓ اور قریب ہو گئے۔

تیسری مرتبہ پھر حکم ہوا۔ ابو ہریرہؓ اتنے قریب ہو گئے کہ ان کے پاؤں کی انگلیاں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس کی انگلیوں سے مس ہونے لگیں۔ یہ ایسا اعزاز تھا کہ ابو ہریرہؓ کی روح رقص کرنے لگی ہوگی۔ پھر ارشاد ہوا، بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے۔

"ابو ہریرہ! اپنی چادر کا کنارہ مجھے دو" آنحضرتؐ نے فرمایا اور ابو ہریرہؓ نے اپنی چادر کا کنارا آپؐ کے دستِ مبارک میں دے دیا۔

"اے ابو ہریرہ! میں تمہیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں، تم انہیں نہ چھوڑنا۔"

"یا رسول اللہ! ارشاد فرمائیے۔"

"جمعے کے دن غسل کرو۔ ہر مہینے میں تین روزے رکھو۔ صبح کی سنتیں نہ چھوڑو۔ اگر چہ رات بھر نمازیں پڑھتے رہو" آپؐ نے فرمایا۔ پھر فرمایا "ابو ہریرہ! چادر کھینچ لو۔"

حضرت ابو ہریرہ نے چادر کھینچ کر اپنے سینے سے لگالی اور عرض کیا "یا رسول اللہ! ان باتوں کو چھپاؤں یا عام لوگوں میں اعلان کر دوں؟"

"ان کا اعلان کر دو" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ابھی تک ابو ہریرہؓ ارشاداتِ رسولؐ کو سینے کے صندوق میں بند کیے ہوئے تھے۔ اس ایک اجازت نے انہیں اشارہ دے دیا کہ آنحضرتؐ اخفائے حدیث نہیں چاہتے بلکہ ان ارشادات کو بیان کرنے ہی میں خلقِ خدا کا فائدہ ہے۔ اب انہوں نے اپنی ذمے داریوں میں ایک ذمے داری یہ بھی قرار دے لی کہ اپنے آقاؐ کے ارشادات کو لوگوں تک پہنچائیں گے۔ اور لوگ بھی نبی اکرمؐ کے پاس بیٹھنے والے تھے لیکن وہ کبھی کبھی کے تھے۔ ابو ہریرہؓ ہمہ وقت دربارِ نبیؐ میں حاضر رہتے تھے۔ ان کے حافظے میں ارشادات کی طویل حدیث تھی۔ انہیں حضور اکرمؐ کا یہ ارشاد بھی یاد تھا۔

"اللہ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور دوسروں تک پہنچائے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ نے اس ارشاد کی روشنی میں طے کیا کہ وہ ان موتیوں کو دوسروں کے گلے کے ہار بھی بناتے رہیں گے۔ انہوں نے فیضانِ نبویؐ کو وقف عام کرنا شروع کر دیا۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے وہ ان تک ارشادات نبویؐ پہنچاتے رہتے۔ لوگوں تک ان کے قوی حافظے کی شہرت پہنچی تو لوگ خود ان کے پاس پہنچ کر رسول اکرمؐ کے ارشادات سننے کا اشتیاق ظاہر کرتے۔ وہ خندہ پیشانی سے ان کی پذیرائی کرتے۔ اب وہ طالب علمی کے دور سے گزر کر ایک مدرس کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔

☆☆☆

صلح حدیبیہ کے بعد امن و امان کے بادل چھا گئے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ فضا بہت دن تک قائم رہے گی لیکن جلد ہی ایک ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا کہ جنگ کے بادل منڈلانے لگے۔ مکے کے دو قبائل کے درمیان قدیمی عداوت چلی آ رہی تھی۔ ان میں ایک بنو خزاعہ تھا اور دوسرا بنو بکر۔

صلح حدیبیہ میں بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بنے تھے

اور بنوبکر، قریش کے۔ بنوخزاعہ نے مسلمانوں سے امداد باہمی کا عہد لیا تھا۔ یہ عہد نامہ اس بات کی ضمانت دیتا تھا کہ مسلمانوں کے حلیف بن جانے کی وجہ سے بنوخزاعہ محفوظ ہوگئے ہیں اور بنوبکر ان پر حملہ نہیں کریں گے اور اگر کریں گے تو مسلمان اپنے حلیف بنوخزاعہ کی مدد کریں گے۔

اس عہد نامے کی رو سے مکہ خانہ جنگی سے محفوظ ہوگیا تھا لیکن کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ بنوبکر نے اس عہد کو توڑ دیا اور بنوخزاعہ پر چڑھ دوڑے۔ وہ چونکہ قریش کے حلیف تھے اس لیے اہل قریش نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ بنوخزاعہ اکیلے پڑ گئے۔ اس لیے کہ مسلمان مکہ میں نہیں، مدینہ میں تھے۔ بنو خزاعہ کے لوگ چن چن کر قتل کر دیے گئے۔ کچھ لوگ مسلمانوں کو ان کا عہد یاد دلانے کے لیے مدینے کی طرف بھاگے۔

مدینے میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ابھی ابھی بنوخزاعہ کے کچھ لوگ مسجد نبویؐ میں پہنچے تھے اور حضورؐ سے محو گفتگو تھے۔ وہ اپنی شکایت لے کر آئے تھے۔ حضورؐ انہیں تسلی دے رہے تھے اور وہ آپ کو حالات سے آگاہ کر رہے تھے۔

''ہم نے حرم میں پناہ بھی لی لیکن ہمیں بے دریغ قتل کیا گیا۔ ہم نے خدا کا واسطہ دیا تو ان لوگوں نے یہ کہہ کر قتلِ عام جاری رکھا کہ آج کے دن کوئی خدا نہیں۔ قریش نے وعدہ خلافی کی ہے۔ انہوں نے معاہدہ توڑ ڈالا ہے۔ معاہدے کے مطابق ہمارا حق ہے کہ آپ ہماری مدد کریں۔''

حضور اکرمؐ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر چکے تھے لیکن قریش نے خود اس معاہدے کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ مظلوم فریق کی داد رسی کا تقاضا تھا کہ آپؐ ان کی مدد کے لیے روانہ ہو جائیں۔ آپؐ نے اسی وقت فوجی کارروائی کے لیے تیاری کا حکم دے دیا۔ مسلم قبیلوں کے بہت سے دستے آنحضرتؐ کے پاس آ گئے۔ یہ تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔

مدینہ کے بازاروں میں ایک مرتبہ پھر جنگ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ حضرت ابوہریرہؓ اس سے پہلے کے تمام غزوات میں شریک رہے تھے لیکن اب کی بات اور تھی۔ انہیں اشتیاق تھا کہ وہ ان لوگوں سے جہاد کریں جن لوگوں نے ہجرت سے پہلے ان کے رسولؐ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اس وقت مسلمان لڑنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی تھی کہ وہ سوچ رہے تھے، مجھ فقیر طالبِ علم پر کس کی نظر جائے گی۔ کہیں میرے رسولؐ مجھے مدینے میں چھوڑ کر مکہ نہ چلے جائیں۔ قبیلہ در قبیلہ لشکر جمع ہو رہے تھے۔ وہ ان لشکریوں کو ارشاداتِ رسولؐ سناتے پھر رہے تھے اور دعائیں کر رہے تھے کہ کاش، حضورؐ مجھے بھی چلنے کا حکم صادر فرما دیں۔ آخر دعا قبول ہوگئی۔ دس ہزار قدوسیوں میں ان کا نام بھی شامل ہوگیا۔ مزید کرم یہ ہوا کہ حضورؐ نے اس لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ ابوہریرہؓ ان جانثاروں میں شامل تھے جنہیں حضور اکرمؐ کے ساتھ سفر کرنا تھا۔ ہم نشینی کا لطف رہے گا۔ علم نبوتؐ کے کچھ اور راز عیاں ہوں گے۔ خدمت اقدس کے کچھ اور مواقع نصیب ہوں گے۔ مجھ چرواہے کی یہ قسمت کہ آج فتح مکہ کے لیے جاتا ہوں۔ یہ سوچتا تھا کہ آپ کو اپنے پہ رشک آنے لگا۔

شہر مکہ کشت وخوں کے بغیر فتح ہوگیا۔ مزاحمت کی ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی۔ ابوہریرہؓ کی انتقام کی آرزو دل ہی میں رہ گئی لیکن ایک راز نبوتؐ ضرور ظاہر ہوگیا۔ زندگی بھر کے دشمن حضورؐ کے سامنے تھے اور بہ یک وقت پکار رہے تھے۔

''خیر، اے کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے خیر۔''

حضورؐ کی آواز بلند ہوئی ''تو جاؤ، تمہیں معاف کیا جاتا ہے۔''

یہی تھا وہ راز نبوتؐ جو ابوہریرہؓ نے اپنی چادر میں باندھ لیا اور انتقام کا خیال دل سے نکال دیا۔

مکے کی زندگی کو معمول پر آئے ہوئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ مشرق کی جانب جنگ کے بادل منڈلانے لگے۔ مکے کے شمال مشرق میں ہوازن اور بنوثقیف طائف کے علاقے میں آباد تھے۔ دونوں طاقتور قبیلے پڑوسی تھے اور ان دونوں کو اندیشہ تھا کہ مسلمان فتح مکہ کے بعد ان پر حملہ کریں گے۔ ان دونوں نے یہ طے کیا مسلمانوں کے حملہ کرنے سے پہلے وہ خود ان پر حملہ کر دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے یہ دونوں قبیلے اوطاس کے قریب حنین کے قریب جمع ہوگئے۔ چھوٹے چھوٹے کئی اور قبائلی دستے بھی ان کی مدد کو پہنچ گئے۔ یہ لوگ مرنے یا مارنے کی ایسی تیاری کے ساتھ آئے تھے کہ اپنی عورتیں، بچے اور مویشی تک ساتھ لائے تھے۔ گویا واپسی کا ارادہ ہی نہیں تھا۔

آپؐ مکے میں انتظامی امور میں مشغول تھے لیکن دشمن کی اس للکار کا جواب دینا بھی ضروری تھا لہٰذا آپؐ بھی اپنے لشکر کو لے کر مکے سے نکلے۔ حضرت ابوہریرہؓ ظاہر ہے اس وقت آپ کے ہمراہ پابہ رکاب تھے۔ اب آپ کی آرزوئے جہاد بھی پوری ہونے والی تھی۔ ہراول دستہ حضرت خالد بن ولیدؓ کی سربراہی میں آگے آگے چل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا۔ جیسے ہی یہ دستہ حنین کی گھاٹی میں داخل ہوا۔ دشمن کی جنگی چال کا شکار ہو گیا۔ دشمن اوطاس سے ہٹ کر حنین کے مقام پر گھات لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ ہراول دستہ اس کے نرغے میں آ گیا۔ خالدؓ کے ساتھ جتنے سپاہی تھے، اس اچانک افتاد پر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے سپاہی واپس بھاگے تو پیچھے آنے والے مسلمان لشکر سے ٹکرائے۔ اس لشکر میں بھی بدحواسی پھیل گئی۔ بھگدڑ مچ گئی۔ حضور اکرمؐ اپنے نو صحابہؓ کے ساتھ ایک تنگ پگڈنڈی پر کھڑے رہ گئے۔ حضرت ابوہریرہؓ اپنے آقا کو اس مشکل میں دیکھ کر چیخ چیخ کر بھاگتی ہوئی فوج کو بلا رہے تھے لیکن کون سنتا ہے فغان درویش۔ نبی کریمؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ ایک چٹان پر چڑھ گئے۔ یہ صحابہؓ آپ کے لیے ڈھال بن گئے۔ حضرت عباسؓ نے چیخ چیخ کر مسلمانوں کو آواز دی ''اے اصحابِ رسول! اے مسلمانو، رسولِ خدا کی طرف آؤ۔''

اس آواز نے کام کر دکھایا۔ مسلمان آپؐ کے گرد جمع ہونے لگے۔ یہ تعداد اتنی بڑھ گئی کہ ایک منظم حملے کے لائق ہو گئی اور یوں ایک خوں ریز جنگ کے بعد ہاری ہوئی بازی مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گئی۔

حضور اکرمؐ نے ہوازن کے قیدیوں اور مویشیوں کو جعرانہ کے مقام پر چھوڑا اور خود لشکر کے ساتھ بنو ثقیف سے نمٹنے کے لیے طائف کی طرف چل دیے۔ ثقیف کے دلیر نوجوان مسلمانوں کی آمد کے منتظر تھے لیکن یہ سب فصیل کے اندر تھے۔

اس حکمتِ عملی سے انہوں نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ فصیل کے باہر محاصرہ کیے رہیں اور ان کے بجائے شدید سردی کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ان کے تیرانداز مسلمانوں کو فصیل کے قریب نہیں آنے دے رہے تھے۔

مسلمانوں نے بہت کوشش کی کہ بنو ثقیف کھلے میدان میں چلے آئیں لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ موسم شدید ہوتا جا رہا تھا لہٰذا یہ سوچا گیا کہ محاصرہ اٹھا کر واپس چلا جائے اور پھر باہم مشورے سے محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ حضور اکرمؐ اپنے لشکر کے ساتھ واپس جعرانہ آ گئے۔ یہاں مالِ غنیمت کی تقسیم عمل میں آئی۔

ابھی یہ تقسیم عمل میں آئی ہی تھی کہ ہوازن کے ایک وفد نے آنحضرتؐ سے ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ ان کا قبیلہ مسلمان ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس وفد نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ مال جو جنگ میں ان سے چھینا گیا تھا، انہیں واپس کر دیا جائے۔

یہ مال ان سے اس وقت چھینا گیا تھا جب وہ حالتِ کفر میں تھے۔ اس لیے مسلمان اس مال کو واپس کرنے کے پابند نہیں تھے لیکن حضورؐ کی فیاضی نے یہ گوارا نہیں کیا۔

''تم لوگوں کو اپنی عورتیں اور بچے عزیز ہیں یا اموال؟''

''ہماری عورتیں اور بچے ہمیں لوٹا دیجیے۔ باقی سب آپ رکھ لیجیے۔''

حضورؐ نے ان کی عورتیں اور بچے انہیں واپس کر دیے۔ اب یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا لہٰذا آپ نے مدینہ کی طرف مراجعت کا حکم دیا اور مسلمان مدینہ لوٹ آئے۔

مدینہ پہنچ کر آپؐ کو معلوم ہوا کہ آپؐ کی طرف سے بحرین میں مقرر کردہ گورنر منذر بن ساویٰ انتقال کر گئے ہیں۔ ان کی جگہ نئے گورنر کی تقرری کا سوال تھا۔ آپؐ نے غور و فکر کے بعد اپنے ایک صحابی حضرت علا بن حضرمیؓ کو طلب کیا۔

''یاد کرو، صلح حدیبیہ کے فوراً بعد میں نے تمہیں ایک خط دے کر آلِ منذر کے پاس بھیجا تھا۔''

''یارسول اللہ، مجھے یاد ہے۔''

''اس خط کے جواب میں آلِ منذر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ بحرین کے گورنر منذر بن ساویٰ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا اور میں نے اسے اس کے عہدے پر برقرار رہنے دیا تھا۔''

''مجھے یہ بھی یاد ہے۔''

''منذر بن ساویٰ انتقال کر گئے ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں، تمہیں وہاں کا حاکم بنا کر بھیجوں۔''

''آپ میری صلاحیتوں کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔''

''ابوہریرہؓ تمہارے ساتھ جائیں گے۔ وہ پڑھنا لکھنا جانتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ فارسی زبان سے واقف ہیں۔ میری استدعا ہے کہ ان سے اچھا سلوک کرنا۔''

ابوہریرہؓ کے لیے حضورؐ کے بغیر مدینے سے باہر جانے کا یہ پہلا موقع تھا۔ یہ جدائی ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی لیکن حکم عدولی کا یارا بھی نہیں تھا۔ حضورؐ نے انہیں حکم دیا اور انہوں نے سر جھکا لیا۔ چلنے کی تیاری کرنے لگے اور تیاری کیسی، بس حکم ہوا چلو تو چلو۔ جب محبوب سے فراق ہی مقدر ہو تو کیسا اندھیرا کیا اجالا؟

''حضورِ اکرمؐ نے مجھے آپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے'' حضرت علا بن حضرمیؓ نے راستے میں آپ سے پوچھا ''کہیے، آپ بحرین پہنچنے کے بعد کیا ذمے داری قبول کرنا پسند فرمائیں گے؟''

''میں اپنے لیے اذان دینے کی ذمے داری پسند کروں گا'' ابو ہریرہؓ نے فرمایا۔

بحرین پہنچنے کے بعد یہ ذمے داری آپ کو سونپ دی گئی۔ حضرت علا بن حضرمیؓ حاکم ہونے کی حیثیت سے امامت کے فرائض انجام دیتے اور ابو ہریرہؓ اذان اور اقامت کے فرائض انجام دیتے۔ اس کے علاوہ لوگوں تک ارشاداتِ رسولؐ پہنچانے کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے اور وہ احادیث بیان کرتے۔ انہیں ہر موقع کی مطابقت سے اتنی احادیث یاد تھیں کہ کسی کو خلافِ سنت کوئی کام کرتے دیکھتے تو اسے فوراً ٹوک دیتے اور دلیل میں کوئی حدیث رسولؐ بیان فرما دیتے۔

بحرین میں علما کی ایک جماعت تبلیغِ دین کی غرض سے موجود تھی لیکن احادیث کی وہ کثرت ان کے پاس محفوظ نہیں تھی جس کے حافظ ابو ہریرہؓ تھے اس لیے بحرین میں ان کی مقبولیت کی کوئی حد نہ رہی۔

یہ مقبولیت اور بڑھتی کہ حضورؐ نے علا بن حضرمیؓ کو سبکدوش کر دیا اور ان کی جگہ حضرت ابان بن سعیدؓ کو نیا گورنر مقرر کر دیا۔ حضرت علاؓ واپس تشریف لائے تو ابو ہریرہؓ بھی مدینہ واپس آ گئے۔ حضورؐ سے یہ وقتی جدائی ختم ہو گئی۔

حضرت ابو ہریرہؓ واپس آئے تو دولتِ جہاد آپ کی منتظر تھی۔ موسم شدید گرم تھا۔ کھجوروں کے پکنے کے دن تھے۔ جتنی کھجوریں اس سال درختوں پر آئی تھیں کبھی نہیں آئی تھیں۔ مسلمان کثیر منافع کی آرزو لگائے بیٹھے تھے کہ یہ خبر پہنچی کہ قیصرِ روم، عرب پر حملے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ رومیوں نے شام میں بھاری فوج جمع کی ہے۔ ہراول دستے اردن میں داخل ہو چکے ہیں۔ اس خبر کے جواب میں رسولِ اکرمؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگ دستی کا تھا لہٰذا جہاد کے حکم کے ساتھ آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے مالی امداد کا حکم بھی جاری کیا۔ صحابہؓ اور صحابیاتؓ نے اس موقع پر حیرت انگیز ایثار کا مظاہرہ کیا اور اپنی استطاعت سے بڑھ کر مال و اسباب لا کر حضورؐ کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔

گرمی کی شدت اور کھجوروں کے پکنے کے موسم نے بعض منافقوں کو اس جنگ کے خلاف بولنے کا موقع فراہم کر دیا۔ بہت سے مسلمان یہ کہتے سنائی دینے لگے کہ موسم خوش گوار ہو جائے تو وہ جنگ کے لیے نکلیں۔ ہماری فصلیں پک جائیں تو ہم بے فکری سے جہاد کریں گے۔ وہ دھوپ سے بچ کر کچھ دیر چھاؤں میں بیٹھنا چاہتے تھے۔ اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی یہ اعلانِ جنگ ایمان کی مضبوطی کی علامت بھی بن گیا۔ پھر اللہ نے ایسی برکت دی کہ جتنا لشکر اس جنگ کے لیے جمع ہوا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

تپتے ہوئے بے آب و گیاہ صحرا میں ساڑھے تین سو میل کا سفر آسان نہیں تھا۔ صحرا کی زہریلی ہواؤں سے لڑتے ہوئے یہ مسلمان تبوک کے مقام تک پہنچ گئے۔ ان مردانِ حق میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی شامل تھے۔

اسلامی لشکر تبوک پہنچ کر بیس دن تک رومیوں کا انتظار کرتا رہا۔ بیس دن کے انتظار کے بعد معلوم ہوا کہ اردن میں داخل ہونے والی رومی فوجیں دمشق کی طرف بڑھ گئی ہیں۔ اب آگے بڑھنا فضول تھا۔ یہ معرکہ کسی جنگ کے بغیر ختم ہو گیا۔

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد جب حج کا زمانہ آیا تو آپؐ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج پر جانے کا ارادہ فرمایا۔ اس ارادے کا علم ہوتے ہی حضرت ابو ہریرہؓ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ سوچنے لگے کاش، اس جماعت میں حضورؐ انہیں بھی شامل فرما لیں۔ وہ اپنی والدہ کی ضعیفی کے پیشِ نظر ابھی تک حج کی سعادت سے محروم رہے تھے لیکن اب والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اب ان پر والدہ کی خدمت کی ذمے داری نہیں رہی تھی۔

وہ بار بار دربارِ رسولؐ پر جا رہے تھے۔ یہ جاننے کی کوشش کر رہے تھے کہ حج پر جانے والی جماعت میں کس کس کے نام لیے جا رہے ہیں؟ حضورِ اکرمؐ ان کی بے تابی کو ملاحظہ کر رہے تھے۔ ان کی آتشِ شوق بھڑکانے کے لیے آپؐ ان کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ابو ہریرہؓ نے کئی مرتبہ سوچا کہ اپنی تمنا کا وہ خود اظہار کر دیں لیکن ادب مانع رہا۔ انہیں یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ مرضیِ رسولؐ پر اپنی مرضی کو حاوی کر دیں۔ وہ سائے کی طرح حضورِ اکرمؐ کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ آخر ایک روز انعام کی بارش ہو گئی۔ تین سو مسلمانوں کی جماعت میں حضرت ابو ہریرہؓ کا نام بھی شامل ہو گیا۔

جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو آنحضرتؐ نے بعض دینی کاموں کی وجہ سے حج پر جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا البتہ جماعت کو حکم دیا کہ وہ ضرور جائیں۔ قافلے کا امیر حضرت ابو بکرؓ کو مقرر فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی حضورؐ سے محبت نے ایک مرتبہ پھر تقاضا ضرور کیا کہ وہ حضورؐ کی خدمت کے لیے مدینے سے باہر نہ جائیں لیکن اس میں نافرمانی کا شائبہ تھا۔ رسول خدا حکم دے چکے تھے کہ وہ مقدس جماعت کے ساتھ حج پر تشریف لے جائیں۔ بحرین کے سفر کے بعد یہ دوسرا موقع تھا کہ وہ حضور اکرمؐ کے بغیر مدینہ سے باہر قدم رکھ رہے تھے۔

قافلہ روانہ ہو چکا تھا کہ پر جبریل کو جنبش ہوئی۔ آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور سورۂ برأۃ (سورہ توبہ) کا ابتدائی حصہ نازل ہوا جس میں مناسک حج سے متعلق نہایت اہم احکامات دیے گئے تھے۔

جب آپؐ نے یہ آیات صحابۂ کرامؓ کو سنائیں تو تمام صحابہ کا خیال ہوا کہ ان احکامات کو حضرت ابو بکرؓ تک پہنچا دیا جائے تاکہ وہ خطبہ دیتے ہوئے ان احکامات کو مسلمانوں تک پہنچا دیں۔

''ہم میں سے کسی بھی شخص کو بھیج دیں۔ ہم یہ امانت ابو بکرؓ تک پہنچا دیں گے۔''

''نہیں۔ اس اہم معاملے کا اعلان میری طرف سے میرے ہی خاندان کے کسی آدمی کو کرنا چاہیے۔''

''آپ کا اشارہ حضرت علیؓ کی جانب ہے؟''

''ہاں۔ میں علیؓ کو اس خدمت پر مامور کرتا ہوں۔''

اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کو ہدایات دیں ''حاجیوں کے مجمع عام میں یہ احکامِ الٰہی سنانے کے بعد حسبِ ذیل چار باتوں کا اعلان بھی کر دیں۔

۱۔ جنت میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو دین اسلام قبول کرنے سے انکار کرے۔

۲۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج پر نہ آئے۔

۳۔ بیت اللہ کے گرد برہنہ طواف کرنا ممنوع ہے۔

۴۔ جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہے، ان کے ساتھ مدتِ معاہدہ تک وفا کی جائے گی۔

ان احکامات اور ہدایات کو لے کر حضرت علیؓ بیت اللہ کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ حضرت ابو بکرؓ سے ملاقات کر سکیں اور عام مسلمانوں تک یہ احکامات پہنچا سکیں۔

ابھی ابو بکرؓ اپنے قافلے کے ہمراہ راستے میں تھے کہ حضرت علیؓ ان سے جا ملے۔ انہیں دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ کو گمان گزرا کہ شاید حضور اکرمؐ نے ان کی جگہ حضرت علیؓ کو امیر مقرر فرما دیا ہے۔

''یا برادر رسول! کیا تم امیر حج مقرر کر دیے گئے ہو؟''

''نہیں۔ یہ اعزاز اب بھی آپ کے پاس ہے۔ مجھے تو رسولؐ خدا نے نقیب اور قاصد بنا کر بھیجا ہے۔''

''میرے لیے کیا پیغام لائے ہو؟''

''حضورؐ پر آیات نازل ہوئی ہیں جو مناسک حج سے متعلق ہیں۔ حجاج کے سامنے ان کا بیان کرنا ضروری تھا۔ یہ اہم اعلان نبی اکرمؐ کے خاندان ہی کا کوئی فرد کر سکتا تھا لہٰذا مجھے بھیجا گیا۔''

''اللہ کی رحمتیں ہم سب پر برستی رہیں، یہ اعلان آپ ہی کو زیبا ہے۔''

اب حضرت علیؓ بھی اس مقدس قافلے کے ساتھ تھے۔ حضرت ابو بکرؓ بدستور قافلے کے امیر رہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو حج کے صحیح طریقے بتائے اور سکھائے۔

دسویں ذوالحجہ کو حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں کے امیر کی حیثیت سے حج کا خطبہ دیا اور حضرت علیؓ نے ایسے بلند آواز اور پڑھے لکھے لوگوں کو مختلف جگہوں پر مقرر کر دیا جو ان کے الفاظ کو سمجھ کر دوسروں تک پہنچا سکیں۔ ان منادی کرنے والوں میں حضرت ابو ہریرہؓ کا نام بھی شامل تھا۔

حضرت علیؓ باب حمزہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے سورۂ برأۃ کی ابتدائی آیات پڑھنی شروع کیں۔ منادی کرنے والے ان آیات کو دوسرے لوگوں تک پہنچاتے رہے پھر آپ نے وہ اعلان کیا جس کا حکم رسولؐ اللہ نے دیا تھا۔

اس اعلان کے بعد عرب میں مشرکین کا وجود گویا عملاً خلافِ قانون ہو گیا۔ ان کے اعتقادات، اخلاق، اعمال، جاہلانہ طریق زندگی کو ناپاک قرار دے دیا گیا اور مسجد حرم میں ان کا داخلہ ممنوع ہو گیا۔

اس حج میں وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے محروم رہے تھے اور اکیلے حج پر جانا پڑا تھا لیکن اگلے ہی سال یعنی ۱۰ ہجری کو حجۃ الوداع میں انہیں حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہو گیا۔ یہ ایسا اعزاز تھا جس کے ملنے کے بعد ابو ہریرہؓ کی عظمت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ ان کے علم کی وجہ سے انہیں دوسروں پر فوقیت دی جانے لگی۔

فرصت کے یہ دن بھی ایسے تھے کہ وہ اپنے علم و فضل

میں اضافہ کرتے رہے۔ مدینے کا کوئی بڑا عالم ایسا نہیں تھا جس سے وہ کچھ نہ کچھ پوچھ نہ لیتے ہوں۔ بے مثال قربانیوں کے بعد مسلمانوں کو اب جا کر کچھ امن نصیب ہوا تھا۔

ایک دن وہ نبوتؐ کی دہلیز کو چوم کر لوٹے ہی تھے کہ معلوم ہوا حضورؐ کی طبیعت ناساز ہے۔ وہ الٹے قدموں لوٹ گئے۔ معلوم ہوا آپؐ بخار میں مبتلا ہیں۔

یہ کوئی ایسی بیماری نہیں تھی کہ آپؐ کی زندگی کو کوئی خطرہ ہوتا لیکن معاً ابوہریرہؓ کو حجتہ الوداع کا خیال آیا جس میں وہ خود بھی شریک تھے۔ اس میں جو حضورؐ نے خطبہ دیا تھا اس میں کچھ ایسی باتیں تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ اپنا کام مکمل کر چکے۔ اس سے انہیں کچھ اندیشہ ہوا۔

آپؐ کی طبیعت کبھی سنبھلتی کبھی بگڑتی رہی۔ آپؐ کو آپؐ کی خواہش پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مکان میں منتقل کر دیا گیا۔ یہ بھی کوئی فکر کی بات نہیں تھی۔ پھر جب آپؐ کے حکم کے مطابق امامت کا فریضہ حضرت ابوبکرؓ نے انجام دیا تو بہت سے صحابۂ کرامؓ کی طرح حضرت ابوہریرہؓ کا بھی ماتھا ٹھنکا۔ یہ اس بات کا اشارہ تو نہیں کہ اب آپؐ دنیا سے پردہ فرمانے والے ہیں اور ان کے بعد قوم کے امام حضرت ابوبکرؓ ہوں گے؟ مختلف روایات کے مطابق آپؐ تین دن نماز کے لیے نہیں نکلے۔

جمعرات کو آپؐ کی بیماری نے شدت اختیار کی۔ پیر کے دن نماز فجر کے وقت آپؐ دروازے تک آئے۔ پردہ اٹھا کر دیکھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا میں لوگ نماز ادا کر رہے تھے۔ آپؐ کے ہونٹوں پر تبسم آیا۔ آپؐ نے پردہ چھوڑا اور واپس پلٹ آئے۔ یہ آخری موقع تھا جس میں صحابہؓ نے آپ کا دیدار کیا۔ اسی دن چاشت کے وقت جب دھوپ تیز ہوئی، آپؐ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

مسلمانوں پر رنج والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس صدمۂ جانکاہ کا اثر مختلف اشخاص پر مختلف ہوا۔ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی اس حد تک متاثر ہوئے کہ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ آنحضرتؐ انتقال فرما گئے تو اس کا سر قلم کر دوں گا۔

حضرت ابوبکرؓ رنج واندوہ کے بے پایاں سمندر میں غرق مگر جادۂ مستقیم پر گامزن تھے۔ انہوں نے صبر بھی کیا اور لوگوں کو صبر کی تلقین بھی کی۔

''لوگو! جو محمدؐ کو پوجتے تھے وہ جان لیں کہ حضور انورؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جو خداوند تعالیٰ کی پرستش کرتے تھے وہ قیوم اور موجود ہے۔''

حضرت ابوہریرہؓ پر تو اس سانحے نے قیامت توڑ دی۔ وہ روتے ہوئے پکار پکار کر کہتے تھے ''لوگو! آج جی بھر کے رو لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا محبوب دنیا سے رخصت ہو گیا۔''

علم و تعلیم نے ان کے مزاج کو فلسفیانہ بنا دیا تھا۔ اس سانحے کا اثر یہ ہوا کہ وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ اپنے آپ کو عبادتِ الٰہی میں ایسا مشغول کر لیا کہ کئی کئی دن گھر سے باہر نہ نکلتے۔ کبھی ضرورت کے تحت نکلنا ہوتا تو ارشاداتِ رسولؐ کے پھول بکھیرتے ہوئے گزرتے۔ اتباعِ سنت کی تلقین کرتے ہوئے چلتے۔ ایسے پُرسوز لہجے میں لوگوں کو حضور پاکؐ کے ارشادات یاد دلاتے کہ لوگوں کو عہدِ رسالتؐ یاد آ جاتا۔ حضورؐ کی یاد دلوں کو تڑپا جاتی۔

رسولِ اکرمؐ کے شبانہ روز فیضِ صحبت نے انہیں ایک ایسا مثالی مردِ مومن بنا دیا تھا کہ وہ ہر کام میں اسوۂ حسنہ کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ عبادات میں بھی آپؐ کے نقشِ قدم پر چلتے تھے اور معاملات میں بھی لفظ بہ لفظ آپؐ کے طرزِ عمل کا اتباع کرتے تھے۔ کسی کو کوئی خلافِ سنت کام کرتے دیکھتے تو فوراً ٹوک دیتے اور جو کچھ اس کے بارے میں رسولِ اکرمؐ سے سنا ہوتا، سنا دیتے۔

ایک روز گھر سے باہر نکلے تو دیکھا دو شخص اکٹھے جا رہے ہیں۔ انہوں نے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا، تمہارا ساتھی کون ہے؟'' اس نے کہا'' میرے والد ہیں۔ فرمایا، ان کا نام لے کر نہ بلایا کرو۔ ان کے آگے مت چلا کرو۔ ان سے پہلے مت بیٹھا کرو۔''

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ بیمار ہوئے۔ میں ان کی عیادت کے لیے گیا تو دیکھا کہ لوگ اس کثرت سے ان کی عیادت کو آئے ہوئے ہیں کہ گھر بھر گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے ازراہِ انکسار اپنے پاؤں سمیٹ لیے اور فرمایا۔

''ایک دن ہم لوگ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسولِ اکرمؐ اس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ہمیں دیکھ کر اسی طرح پاؤں سمیٹ لیے جیسا کہ اس وقت میں نے اپنے پاؤں سمیٹ لیے ہیں۔ پھر ہم سے فرمایا کہ لوگ تمہارے پاس علم حاصل کرنے کے لیے آئیں گے۔ تم ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا۔ ان کو مبارک باد دینا اور علم سکھانا۔''

وہ ان ہی شب و روز سے گزرتے ہوئے زندگی

گزار رہے تھے کہ مدینے کی زندگی میں ایک مرتبہ پھر بھونچال آ گیا۔ حریف عربی قبائل مدینہ پر چڑھ دوڑنے کے لیے ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ نومسلم قبائل نے مرتد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف محاذ بنالیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بعض چالاک اور موقع شناس اشخاص نے اپنی اپنی نبوتوں کا اعلان کر کے اس انتشار سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ حضرت ابوبکرؓ کو ان تمام فتنوں کا سدِباب کرنا تھا۔ سب سے بڑا فتنہ ان لوگوں کا تھا جو اسلام لا کر اس سے پھر گئے تھے۔ مرتدوں کا سر کچلنا ہی اس وقت اسلام کی سب سے بڑی خدمت تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی نرم دلی کے باوجود ان فتنوں کے خلاف جہاد کا حکم دیا۔ آنحضرتؐ اپنی زندگی میں وفات سے کچھ قبل حضرت اسامہؓ کی سربراہی میں ایک لشکر ترتیب دے چکے تھے جس کا کام ایسے فتنوں کو کچلنا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے خلیفہ منتخب ہوتے ہی جیشِ اسامہؓ کو اس کی مقررہ مہم پر روانہ فرمایا۔ ہر چند صحابہ نے مدینہ منورہ کی مخدوش حالت دیکھ کر اس لشکر کو روکنے کی استدعا کی لیکن آپؓ نے اسے قبول نہیں کیا۔

اس اقدام کا بہت اچھا اثر ہوا۔ بہت سے قبائل جہاں تھے، وہیں رک گئے کہ اگر مسلمانوں کی حالت پتلی ہوتی تو وہ یہ لشکر مدینے سے باہر نہ بھیجتے۔ کچھ قبائل ایسے بھی تھے جو یہ دیکھ رہے تھے کہ مدینے میں اصل فوج موجود نہیں۔ انہوں نے مدینے کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ کو جونہی یہ اطلاع ملی، حضرت ابوبکرؓ اونٹوں کی ایک لمبی قطار لے کر مدینے سے روانہ ہوئے اور پھر کئی مہینے تک ان مرتدوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ اربابِ سیَر کے مطابق حضرت ابوہریرہؓ، خلیفہ رسولؐ کا دست و بازو بن کر ان معرکوں میں شریک رہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے مرتدوں کے ابتدائی پڑاؤ ''ذوالقصہ'' پر فتح حاصل کی تھی جبکہ یہ وبا پورے عرب میں پھیل گئی تھی۔ اس کا سدِباب ضروری تھا۔ آپ نے ذوالقصہ سے مدینہ واپس آ کر اسلامی لشکر کو گیارہ حصوں میں تقسیم کر کے الگ سالار منتخب کیے اور انہیں مختلف علاقوں کی طرف روانہ کیا۔

بحرین کے مرتدوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے حضرت علاء بن حضرمیؓ کا انتخاب عمل میں آیا کیونکہ وہ بحرین کے حاکم رہ چکے تھے اور انہیں وہاں کا تجربہ تھا۔ حضورؐ نے ان کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کو بھی بھیجا تھا اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو بھی اس وقت ان کی یاد آئی۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو بلا بھیجا۔

وہ اپنی مخصوص وضع میں حاضر ہو گئے۔ گدھا ان کی سواری تھا۔ اس پر نمدے کا پالان کسا ہوا تھا اور اس کی لگام کھجور کی چھال کی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ ایک مرتبہ حضور اکرمؐ کی حیات میں حضرت علاؓ کے ہمراہ بحرین گئے تھے اور اب عہدِ صدیقی میں بحرین جانے کا موقع ملا لیکن اس مرتبہ وہ مرتدوں سے جہاد کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔

دربارِ خلافت سے حضرت علاؓ کو ہدایت ملی تھی کہ انہیں دیگر اسلامی افواج سے کسی طرح کی مدد نہیں ملے گی اور انہیں اپنے ہی بل بوتے پر سب کچھ کرنا ہوگا البتہ راستے سے وہ مردانِ خدا کو اپنی فوج میں شامل کر سکتے ہیں۔

حضرت علاؓ کو بحرین پہنچ کر معلوم ہوا کہ مرتد سپاہ ہجر کے مقام پر خندق سے محصور مضبوطی سے مورچہ جمائے ہوئے ہیں۔ علاؓ نے کئی حملے کیے لیکن کئی روز کی لڑائی کے بعد بھی کامیابی نہ ہو سکی کیونکہ خندق پار کرنے میں سخت دشواری ہو رہی تھی۔

حضرت علاؓ حیران تھے کہ کامیابی کیسے ممکن ہو کہ ایک رات دشمن کے مورچے کی طرف زبردست شور سنائی دی۔ پُرمسرت چیخوں اور قہقہوں کی آوازیں دیوار پھاند کر مسلمانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ حضرت علاؓ نے اسی وقت اپنے جاسوس تفتیش کے لیے بھیجے کہ معلوم کرو یہ شور کیسا ہے؟ جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ مرتد کوئی جشن منا رہے ہیں۔ اس جشنِ مسرت میں سب کے سب ایسے مدہوش ہیں کہ کسی کو ہوش نہیں ہے۔ حضرت علاؓ نے حکمت سے کام لیا اور دشمن پر شب خون مارنے کا حکم دیا۔ جب مسلمان حملہ آور ہوئے تو انہیں کوئی پہرے دار نہ ملا اور وہ دشمن کے درمیان گھس گئے۔ جتنی دیر میں انہیں ہوش آتا ان کے سیکڑوں لوگ مارے جا چکے تھے۔ جنہیں بھاگنے کا موقع ملا وہ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن سپاہِ اسلام نے تعاقب کر کے انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ بیشتر نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔

اربابِ سیَر نے یہ صراحت نہیں کی کہ بحرین میں حضرت ابوہریرہؓ کو کیا ذمے داری سونپی گئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے فتنۂ ارتداد کے خونریز معرکوں میں حصہ لیا ہوگا اور جب مکمل فتح کے بعد حضرت علاؓ نے امارتِ بحرین کا کام سنبھالا ہوگا تو ابوہریرہؓ نے رشد و ہدایت کا منصب ضرور سنبھالا ہوگا کیونکہ اب تو یہ ان کا مشغلہ بن گیا تھا کہ جس سے

ملیں، حضورؐ کی باتیں اسے سناتے رہیں۔ جو کچھ حضورؐ سے انہوں نے سنا تھا دوسروں تک پہنچاتے رہیں۔ اس خدمت میں کوئی ان سے آگے نہ تھا۔ جلیل القدر صحابہؓ کو اتنی حدیثیں یاد نہیں تھیں جتنی انہیں یاد تھیں۔ یہی ان کی عظمت تھی کہ وہ سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی مہمات جاری تھیں۔ مرتدوں کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کا قلع قمع ہوگیا۔ مسلمانوں کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ ایرانی ورومی سلطنتیں ان کی باجگزار بن گئیں اور وہ بھی حضرت ابوبکرؓ کے مختصر عہدِ خلافت میں۔

اسلامی فوجیں دشمن تک پہنچ گئی تھیں۔ عراق وشام مکمل طور پر اسلامی حدود میں شامل ہو چکے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ ابھی بحرین میں تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوگیا اور حضرت عمرؓ مسلمانوں کے نئے خلیفہ بنے۔

حضرت عمرؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد عہدِ صدیقیؓ کے انتظامات میں بہت سی تبدیلیاں کیں لیکن حضرت علاحضرمیؓ کو امارت بحرین کے منصب پر فائز رکھا۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی ان کے ساتھ بحرین ہی میں رہے۔

فتوحات کا عالی شان کارواں رواں دواں تھا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے عظیم سپہ سالار خالد بن ولیدؓ کو ان کے منصب سے ہٹا دیا تھا لیکن اس کے باوجود فتوحات کا سیلاب رومیوں کو تنکوں کی طرح بہائے لیے جارہا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ ان فتوحات کے بارے میں سن رہے تھے اور خوشی سے جھوم جھوم کر لوگوں تک یہ روایت پہنچا رہے تھے۔

''نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھے اس وقت تک لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک لوگ کلمہ طیبہ نہ پڑھیں۔ جب لوگوں نے کلمہ پڑھ لیا تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور مال بچا لیے البتہ اگر اسلام کے کسی حق کی وجہ سے ان کا خون اور مال مباح ہو تو یہ دوسری بات ہے اور جہاں تک اعمال کے محاسبے کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کرے گا۔''

مسلمانوں نے ان مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھائی تھی جو یہ کہتے تھے کہ ہم نمازیں بھی پڑھیں گے اور روزے بھی رکھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر ان کے خلاف تلوار اٹھالی۔

''خدا کی قسم! میں صلوٰۃ اور زکواۃ میں تفریق نہیں کروں گا۔ جو ان دونوں میں تفریق کرے گا میں اس سے لڑوں گا۔''

حضرت ابوہریرہؓ مرتدوں کے خلاف کئی جنگوں میں لڑ چکے تھے اور اب وہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمان اس وقت تک لڑنے کے لیے تیار ہیں جب تک لوگ کلمۂ طیبہ نہ پڑھ لیں۔

کچھ عرصے بعد بصرہ کے نوآباد شہر کے والی حضرت عتبہ بن عزوانؓ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ حضرت علاؓ کو بصرہ کا گورنر نامزد کیا۔ حضرت عمرؓ کا فرمان ملتے ہی حضرت علاؓ ایک جماعت کے ساتھ بصرہ جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ ابھی یہ جماعت بصرہ میں پہنچی تھی کہ ''لباس'' کے مقام پر حضرت علاؓ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت ابوہریرہؓ اور جماعت کے دوسرے ساتھیوں نے انہیں لباس ہی میں دفن کردیا اور امیر المومنین کو اطلاع دی گئی تاکہ آئندہ کے لیے احکامات جاری ہوں۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت قدامہ بن مظعونؓ کو بحرین کا گورنر اور حضرت ابوہریرہؓ کو احداث یعنی خلاف سنت امور کی روک تھام اور قیام صلوٰۃ پر متعین کیا۔ حضرت ابوہریرہؓ اس حکم نامے کے مطابق بحرین واپس آ گئے اور اپنی نئی ذمے داریوں کو سنبھال لیا۔ یہ کام ان کے مشغلے کے عین مطابق تھا لہٰذا خدا کا شکر ادا کیا۔

☆☆☆

حضرت جارود بن عمرؓ قبیلہ عبدالقیس کے سرداروں میں سے تھے۔ یہ قبیلہ بحرین میں آباد تھا۔ جارودؓ پہلے دین عیسوی کے پیروکار تھے۔ عہدِ رسالت میں آپ مدینہ تشریف لائے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ نہایت بہادر اور مہم جو آدمی تھے۔

حضرت قدامہؓ کو امارت بحرین پر متعین ہوئے کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ حضرت جارودؓ بحرین سے مدینہ آئے اور سیدھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچے۔

''آپ کی سختی مشہور ہے اور آپ کا ایک عامل کیا گل کھلا رہا ہے، آپ کے علم ہی میں نہیں۔''

''کس عامل کی بات کر رہے ہو جارود!''

''قدامہؓ کی جو آپ کے بہنوئی ہیں اور بحرین کے حاکم۔''

''کیا، کیا ہے انہوں نے۔ میرے کسی پرچہ نویس نے مجھے کوئی شکایت لکھ کر نہیں بھیجی۔''

''انہوں نے شراب پی ہے۔ ان پر حد جاری ہونی

چاہیے۔''

''خدا کی قسم، میں دین کے معاملے میں کسی رعایت کا قائل نہیں' چاہے وہ میرا بہنوئی کیوں نہ ہو۔ لیکن تم یہ الزام کس بنیاد پر لگا رہے ہو؟''

''یہ الزام نہیں حقیقت ہے۔''

''جب تک ثابت نہیں ہو جاتا، یہ الزام ہی رہے گا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ انہوں نے یہ حرکت کی ہوگی۔''

''یقین تو مجھے بھی نہیں آتا لیکن بعض رومیوں نے مجھے ان کے اس فعل سے آگاہ کیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے ایسی حرکتیں اعلانیہ نہیں کی جاتیں۔''

''میں صرف رومیوں کے کہنے پر ان پر حد کیسے جاری کر سکتا ہوں۔ تم جو الزام قدامہ پر لگا رہے ہو، اس کا گواہ کون ہے؟''

''اس کے گواہ ابو ہریرہؓ ہیں'' حضرت جارودؓ نے کہا۔

''میں ان کو بلانے کے لیے فرمان جاری کرتا ہوں۔ ان کے آنے کے بعد ہی کوئی بات کہی جا سکتی ہے۔''

الزام اتنا نازک اور مخدوش تھا کہ جس نے سنا دنگ رہ گیا۔ معاملہ صرف ایک عامل ہی کا نہیں تھا، یہ الزام حضرت عمرؓ کے بہنوئی پر تھا۔ سب کی آنکھیں حضرت ابو ہریرہؓ کی آمد پر لگی ہوئی تھیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی اونٹنی مدینہ میں داخل ہوئی تو لوگ مسجد نبویؐ میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ حضرت جارودؓ بھی پہنچ گئے۔ آخر میں حضرت عمرؓ تشریف لائے۔ ایک مرتبہ پھر حضرت جارودؓ کو حکم ہوا کہ وہ اس الزام کو دہرائیں جو انہوں نے حضرت قدامہؓ پر لگایا ہے۔

جب وہ الزام دہرا چکے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا ''تم اس معاملے میں کس بات کی گواہی دیتے ہو؟''

''میں نے انہیں شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا البتہ نشے کی حالت میں قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''صرف اتنی شہادت پر جرم ثابت نہیں ہوتا۔''

''اگر قدامہ بھی یہاں ہوں تو ان سے بھی پوچھا جائے'' حضرت جارودؓ نے کہا۔

''انہیں بھی آ لینے دو'' حضرت عمرؓ نے فرمایا اور مجلس برخواست ہو گئی۔

حضرت قدامہؓ کی آمد کی خبر جیسے ہی مشہور ہوئی، حضرت جارودؓ یہ اطلاع پہنچانے خود حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے نہ صرف ان کے آنے کی اطلاع دی بلکہ اپنا یہ مطالبہ بھی دہرایا کہ حضرت قدامہؓ پر حد جاری کی جائے۔''

''تم شاہد ہو یا فریق؟'' حضرت عمرؓ نے ڈانٹ کر کہا۔

''شاہد۔''

''بس، تم شہادت دے چکے۔ اب تمہیں خاموش رہنا چاہیے۔''

اس وقت وہ خاموش ہو گئے لیکن دوسرے دن انہوں نے پھر قسم دلا کر حضرت قدامہؓ پر حد جاری کرنے کے لیے اصرار کیا۔ ان کے اتنے اصرار پر حضرت عمرؓ کو شک ہوا۔

''جارود! تم اپنی زبان پر قابو رکھو ورنہ میں سختی سے پیش آؤں گا۔''

''امیر المومنین! حق یہ نہیں ہے کہ آپ کا ابن عم شراب پیے اور آپ الٹا مجھ کو سختی کی دھمکی دیں'' حضرت جارودؓ نے بھی تیز آواز میں جواب دیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے حکمت سے کام لیتے ہوئے امیر المومنین کو مشورہ دیا کہ آپ قدامہؓ کی بیوی کو بھی بلا کر پوچھ لیں، اس کی گواہی کے بعد کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت قدامہؓ کی بیوی کو بلا کر قسم دلائی اور ان سے حقیقت دریافت کی۔ ان کی بیوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کے بیان کی تصدیق کر دی۔

''قدامہ! حد کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

''مجھے اپنی لغزش کا اقرار ہے۔'' حضرت قدامہؓ نے فرمایا ''یہ میری لغزش تھی لیکن سورۂ المائدہ کی آیت نمبر ۱۱ کے مطابق حد جاری نہیں کی جا سکتی۔''

حضرت عمرؓ نے اس عذر کو قبول نہیں کیا اور اپنے فیصلے پر قائم رہے اور چند دن بعد عدل فاروقی نے ان پر حد جاری کر دی اور ساتھ ہی ان کو امارت بحرین کی ذمے داری سے سبک دوش کر دیا۔ ان کی جگہ حضرت ابو ہریرہؓ کو بحرین کا عامل مقرر کر دیا اور بظاہر یہ قضیہ ختم ہو گیا۔

اس منصب پر فائز ہوتے ہی حضرت ابو ہریرہؓ کی مفلسی کے دن ختم ہو گئے کیونکہ حضرت عمرؓ اپنے عاملوں کو بہت زیادہ تنخواہیں دیا کرتے تھے تاکہ وہ رشوت وغیرہ کے جرائم میں ملوث نہ ہوں۔

اس منصب پر فائز ہونے اور آمدنی بڑھ جانے کے باوجود انہوں نے سادگی کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ عموماً سادہ

لباس پہنتے۔ کبھی کبھی تحدیث نعمت کے طور پر کتان جیسے قیمتی کپڑے کا کرتا زیب تن فرماتے اور طنزاً کہتے "واہ ابو ہریرہؓ، آج کتان کے کپڑے میں ناک صاف کرتے ہو۔ ایک زمانہ وہ تھا جب تم رسول اللہؐ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے درمیان، پورے کپڑوں کے بغیر پڑے رہتے تھے۔ لوگ تجھے دیوانہ خیال کرتے تھے جبکہ تیری یہ حالت بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔"

دسترخوان پر بیٹھتے تو اکثر حضور اکرمؐ کو یاد کر کے رونے لگتے "اللہ، اللہ، آج ہم چپاتیاں کھاتے ہیں اور رسول اللہ نے ساری زندگی میں شاید کبھی چپاتی کھائی ہو۔"

کتب سیئر میں ان کی ایک شادی کا ذکر ملتا ہے جو انہوں نے عہدِ رسالت کے بعد کی تھی۔ یہ شاید یہی زمانہ ہوگا کیونکہ یہ ان کی خوش حالی اور اعلیٰ منصبی کا دور تھا۔ اس دور میں معزز سے معزز آدمی انہیں اپنی بیٹی دے سکتا تھا چنانچہ یہی ہوا۔ ان کی شادی مشہور صحابی حضرت عتبہ بن غزوانؓ کی بہن بسرہ بنت غزوان سے ہوئی۔ یہ نہایت مالدار خاتون تھیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک زمانے میں وہ بسرہ بنت غزوان کے ذاتی ملازم تھے۔ جب وہ سواری سے اترتیں تو یہ ان کی خدمت پر مامور ہوتے۔ زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ یہ ان کی بیوی بن کران کے گھر آ گئیں۔ ابو ہریرہؓ شکر ادا کیا کرتے تھے کہ ان کی شادی ایسے معزز خاندان میں ہوئی۔

بحرین کی امارت پر متعین ہوئے انہیں ایک سال ہوا تھا کہ حضرت عمرؓ نے انہیں واپس بلا بھیجا۔ حضرت عمرؓ کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنے عمال کو زیادہ دن تک ایک منصب پر نہیں رہنے دیتے تھے۔ یہ فعل ان کے انتظامی امور کا ایک حصہ تھا۔ اس میں کسی انتقامی کارروائی کا دخل نہیں تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی سبک دوشی بھی اس حکمتِ عملی کا نتیجہ تھی۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے اس حکم کو خندہ پیشانی سے تسلیم کیا اور اپنا سامان سمیٹ کر مدینہ تشریف لے آئے۔ اب ان میں اس کے سوا کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی کہ وہ پورے کپڑے پہن رہے تھے، پیٹ بھر کر کھانا کھا رہے تھے اور غلام رکھنے کی سکت رکھتے تھے۔ اس تبدیلی پر کوئی تعجب بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اب وہ محض درویش طالب علم نہیں تھے، ریاست کے تنخواہ دار تھے اور ایک مالدار خاتون کے شوہر بھی۔ اس کے باوجود ان کی زندگی سادہ ہی کہی جا سکتی تھی۔

وہ جب مدینہ تشریف لائے تو لامحالہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہیں سال بھر کے محصولات کا حساب کتاب دینا تھا۔ اپنی کارکردگی ثابت کر کے اپنے کامیاب عامل ہونے کا جواز پیش کرنا تھا۔

"میں اپنے ساتھ پانچ لاکھ کی رقم لایا ہوں، وہ مجھ سے لے لیجئے۔"

"کیا تم جانتے ہو، پانچ لاکھ کتنے ہوتے ہیں؟" حضرت عمرؓ نے متعجب ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں۔ ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ، ایک لاکھ اور ایک لاکھ" حضرت ابو ہریرہؓ نے بھولپن سے جواب دیا۔

"تم پر بے خوابی کے اثرات ہیں۔ اس وقت جاؤ، صبح پھر آنا۔"

حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ لگان کی صورت میں کوئی عامل اتنی بڑی رقم لا سکتا ہے۔ انہیں شک ہو رہا تھا کہ یا تو ابو ہریرہؓ کو حساب کرنے میں کوئی بھول ہوئی ہے یا وہ اپنی کارکردگی کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے سوچنے کا موقع دے کر دوسرے دن آنے کا مشورہ دیا۔

وہ دوسرے دن حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے پھر رقم کی تعداد دریافت کی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے پھر اتنی ہی رقم بتائی جو وہ ایک دن پہلے بتا چکے تھے یعنی پانچ لاکھ۔

"کیا یہ تمام رقم حلال ذرائع سے حاصل کی گئی ہے؟" حضرت عمرؓ نے دریافت کیا۔

"میرے علم کے مطابق یہ تمام مال حلال آمدنی ہے۔" حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا۔

"تم نے کسی پر ظلم تو نہیں کیا؟"

"نہیں۔ یہ لگان لوگوں نے اپنی مرضی سے دیا تھا؟"

"تم اپنے لیے وہاں سے کیا لائے؟"

"بیس ہزار درہم۔"

"یہ مال تم نے کیسے حاصل کیا؟"

"میرے پاس کچھ گھوڑیاں تھیں۔ ان کے بچے پیدا ہوئے، انہیں فروخت کیا۔ کچھ رقم میرے غلام نے کما کر دی اور کچھ اپنی تنخواہوں سے بچائی۔"

ان کے اس بیان کی روشنی میں حضرت عمرؓ نے اپنے طور پر تحقیق کرائی تو حساب درست نکلا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کسی خیانت کے مرتکب نہیں ہوئے تھے۔

حضرت عمرؓ کا قاعدہ تھا کہ وہ سبک دوش ہونے والے عامل کا نصف مال، بیت المال میں جمع کرتے تھے۔ یہ اس

سرکاری وقت کی قیمت ہوا کرتی تھی جو اس عامل نے اپنی ذمے داریوں سے وقت نکال کر تجارت وغیرہ میں صرف کیا۔ ابو ہریرہؓ کا آدھا مال بھی ضبط کرلیا گیا۔

☆☆☆

اسلامی فوجیں شام کے محاذ پر رومیوں کا صفایا کرنے میں مشغول تھیں۔ فتوحات کی اطلاعات تواتر سے مدینہ پہنچتی رہی تھیں۔ یہ مراحل اتنی کامیابی سے طے ہوئے کہ رومی شہنشاہ ہرقل ملک شام کو چھوڑ کر قسطنطنیہ جانے پر مجبور ہوگیا اور یہ الفاظ تاریخ کے سینے پر رقم کر گیا۔

''اے شام، تجھے میرا آخری سلام ہے۔ پیارے شام میں تجھ سے اب رخصت ہوتا ہوں اور شاید ہمیشہ کے لیے ہی تجھ سے جدا ہوتا ہوں کیونکہ واقعات کی رفتار سے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔''

حالات مسلمانوں کی گرفت میں تھے لیکن اچانک ہوش اڑا دینے والی خبریں آنے لگیں۔ شہنشاہ ہرقل نے مسلمانوں کے خلاف آخری اور فیصلہ کن قدم اٹھانے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ تمام ماتحت اور خراج گزار بادشاہوں اور مقبوضہ صوبہ جات میں فراہمی افواج کے لیے شاہی فرامین صادر کردیے گئے۔ شاہی فرمان جاری ہوا کہ جس جگہ بھی کوئی قابل ذکر مرد اور قابل خدمت گھوڑا ہو فوراً حاضر کیا جائے۔ اس تیاری کو مذہبی اور قومی سلامتی کا درجہ دے دیا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے رومی افواج کا ایک ٹڈی دل ابھر آیا۔

مسلمانوں کا لشکر چار مختلف اضلاع میں پھیلا ہوا تھا۔ ان سب کو جمع کرلیا گیا، اس کے باوجود رومیوں کے سامنے ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ حضرت ابوعبیدہؓ (امیر لشکر اسلامیہ) کا قاصد محاذ شام سے مدینہ پہنچا۔

''رومی بحر و بر سے ابل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے، راہب اور خانقاہ نشیں پادری تک جنہوں نے کبھی خلوت سے باہر قدم نہیں نکالا، فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔''

یہ خط حضرت عمرؓ کو جیسے ہی ملا، انہوں نے تمام مہاجرین و انصار کو جمع کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی اس گروہ عاشقان میں شامل تھے۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ محاذ سے کیا خبر آئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا اور پھر خط پڑھ کر سنایا۔ وطن سے دور مسلمانوں کی بے بسی کا حال سنا تو صحابہ کرامؓ رو پڑے۔

''امیر المومنین! خدا کے لیے ہمیں اجازت دی جائے کہ ہم اپنے بھائیوں پر جانیں نثار کردیں۔''

''امیر المومنین! خود سپہ سالار بنیں اور ہمیں ساتھ لے کر چلیں۔''

اس آخری رائے پر کافی بحث ہوئی۔ حضرت عمرؓ کا محاذ پر جانا ٹھیک نہیں، اگر انہیں کچھ ہوگیا تو مسلمان ایک عظیم قیادت سے محروم ہو جائیں گے۔

اس نکتے پر سب قائل ہوگئے اور بالآخر یہ طے پایا کہ ایک امدادی فوج فوراً روانہ کردی جائے۔ حضرت عمرؓ نے تیاری کا حکم دے دیا۔ سعید بن عامرؓ کی سربراہی میں لشکر تیار ہوگیا۔ مختلف قبائل اپنے اپنے جھنڈوں کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بھی اس لشکر کے ساتھ تھے۔

اس لشکر کو روانہ ہوئے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا کہ ایک قاصد اور دوڑا چلا آیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی سعید بن عامرؓ وہاں نہیں پہنچے۔

''رومی کہاں تک آگئے ہیں؟'' حضرت عمرؓ نے قاصد سے پوچھا۔

''یرموک سے صرف تین چار میل کا فاصلہ رہ گیا ہے۔''

''افسوس ہے، اب کیا ہوسکتا ہے۔ اتنے قلیل عرصے میں امداد کیسے مہیا ہوسکتی ہے۔''

حضرت عمرؓ نے ایک پرتاثیر خط حضرت ابوعبیدہؓ کے نام تحریر کیا اور حکم دیا کہ وہ اس خط کو مجاہدوں کی ایک ایک صف میں جاکر سنا دیں۔ حوصلہ افزائی کا یہ خط قاصد کے حوالے کرنے کے سوا وہ اور کیا کر سکتے تھے۔

یہ اتفاق تھا کہ جس وقت یہ قاصد یرموک پہنچا اسی وقت سعید بن عامرؓ کی سربراہی میں امدادی فوج بھی وہاں پہنچ گئی۔ جس سے مسلمانوں کو تقویت ہوئی۔

یرموک کے خونریز معرکے میں رومیوں نے کئی موقعوں پر مسلمانوں پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ اگر حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عمرو بن طفیلؓ، حضرت جندب بن عمروؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ جیسے دوسرے جانباز اسے سنبھال نہ لیتے تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے ہوتے۔ ایسے ہی ایک موقعے پر جب رومیوں نے تباہ کن حملہ کیا تو قبیلہ ازد دشمن کے سامنے آہنی دیوار بن کر کھڑا ہوگیا۔ اسی قبیلے سے حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی تعلق تھا۔ وہ اپنے قبیلے کو للکار رہے تھے۔

''بہادرو! حوران بہشتی تمہاری منتظر ہیں۔ ان سے ملنے کے لیے اپنے آپ کو آراستہ کرلو۔ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کمربستہ ہوجاؤ۔ اللہ

تعالیٰ کے نزدیک نیکی کی اس سے زیادہ پسندیدہ جگہ اور کوئی نہیں ہے جہاں تم اس وقت کھڑے ہو۔"

حضرت ابو ہریرہؓ کی للکار سن کر قبیلہ ازد کے بہادران کے گرد جمع ہو گئے اور پھر سب نے مل کر اس زور کا جوابی حملہ کیا کہ رومیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ طفیل بن عمروؓ کے فرزند حضرت عمروؓ اس بے جگری سے لڑے کہ ان کے ہاتھوں رومیوں کے نو بڑے بڑے بہادر مارے گئے۔ اسی مقام پر انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس دن کا یہ معرکہ قبیلہ دوس کے مجاہدوں کے سر رہا اور یہی دن اگلے دن کی فتح کی بنیاد بنا۔

جنگِ یرموک کے بعد رومیوں کے خلاف کئی اور معرکوں میں سرخرو ہونے کے بعد جب وہ مدینے میں داخل ہوئے تو شان ہی دوسری تھی۔ گندمی رنگت میں خوشی کی سرخی دوڑ رہی تھی۔ چوڑی چھاتی مزید چوڑی ہو گئی تھی۔ دونوں مونڈھوں پر پڑی زلفیں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔

مجاہدوں کے پرے مدینہ کے بازاروں میں گھومتے پھر رہے تھے۔ ہر طرف مبارک باد اور سلامت کے نعرے گونج رہے تھے۔ اہل ثروت نے ضیافتوں کا اہتمام کیا تھا۔ ان اللہ کے شیروں کی خدمت میں تحفے اور نذرانے پیش کیے جا رہے تھے۔ ابو ہریرہؓ جس مجلس میں بیٹھ جاتے ارشاداتِ رسولؐ سے سامعتوں کو سیراب کرتے۔ اصحابِ رسولؐ ان سے کرید کرید کر سوال پوچھتے اور وہ رسولِ اکرمؐ کے اقوال کی روشنی میں ان سوالوں کے جواب دیتے۔

اب فرصت کے دن تھے، انہوں نے اپنا مشغلہ ہی یہ بنا لیا کہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ لوگ حدیثیں سننے کے علاوہ مسئلے پوچھنے کے لیے بھی ان کے پاس آنے لگے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے کے قریب بیٹھ کر حدیثیں بیان کرتے اور پھر کہتے" ام المومنین! میری باتیں غلط تو نہیں؟"

وہ سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ سے زیادہ حدیثیں انہیں یاد تھیں۔ کہنے والے یہ بھی کہنے لگے تھے کہ وہ یہ حدیثیں اپنی طرف سے تو بیان نہیں کر دیتے لیکن جو صحابہؓ ان کے مرتبے سے واقف تھے، انہوں نے اس کی تکذیب بھی کی۔ ایک روز حضرت طلحہؓ نے فرمایا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سنیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم لوگ دولت جائداد والے تھے۔ ہمارے گھر بار اور اہل و عیال تھے۔ ہم ان میں پھنسے رہے۔ اس کے برعکس ابو ہریرہؓ ایک مسکین شخص تھے جو مال و متاع اور بال بچوں کے جھنجٹ سے آزاد رسولؐ اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیے آپؐ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ہم سب کو یقین ہے کہ انہوں نے ہم سب سے زیادہ احادیث نبوی سنیں اور ہم میں سے کسی نے ان پر یہ تہمت نہیں دھری کہ وہ رسولؐ اللہ سے سنے بغیر ان کو بیان کرتے ہیں۔"

حضرت ایوب انصاریؓ وہ عظیم المرتبت صحابی تھے جن کو رسولِ اکرمؐ کے ورود مدینہ کے بعد آپؐ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور جو بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں حضورؐ کے ہمرکاب رہے۔ وہ بعض اوقات حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ خود رسولؐ اللہ کے صحابی ہیں پھر آپ ابو ہریرہؓ سے روایت کر رہے ہیں۔ براہِ راست رسولؐ اللہ سے روایت کیوں نہیں کرتے؟ حضرت ایوب انصاریؓ نے فرمایا" بلاشبہ ابو ہریرہؓ نے وہ احادیث رسول اللہ سے سنی ہیں جو ہم نہ سن سکے۔ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ جو حدیث میں نے رسول اللہ سے نہیں سنی، اسے آپؐ کے بجائے ابو ہریرہؓ سے روایت کر دی۔"

ابو ہریرہؓ نے اپنی کثرت روایت کا سبب خود بتایا۔

"تم کہتے ہو ابو ہریرہؓ بہت حدیثیں روایت کرتا ہے حالانکہ مہاجرین ایسا نہیں کرتے۔ اللہ شاہد ہے، حقیقتِ حال یہ ہے کہ مہاجرین اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں وقت گزارتے تھے لیکن میں ایسا مسکین آدمی تھا۔ اپنا پیٹ بھرنے کے سوا مجھے دنیا کی کوئی چیز درکار نہیں تھی۔ اس لیے مجھے سب سے زیادہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر رہنے کا موقع میسر آتا۔ جب دوسرے لوگ آپؐ کے ارشادات کو بھول جاتے تو میں یاد رکھتا۔ ایک دن رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ کون ہے جو اپنی چادر بچھائے اور پھر اسے سمیٹ لے۔ ایسا شخص مجھ سے سنی ہوئی بات کبھی نہیں بھولے گا۔ میں نے اپنی چادر بچھا دی۔ آپؐ گفتگو کرتے رہے، جب آپؐ نے گفتگو ختم کی، میں نے چادر کو سمیٹ لیا۔ اللہ کی قسم اس کے بعد میں نے آپؐ کا جو بھی ارشاد سنا، اسے کبھی نہیں بھولا۔"

اس غیر معمولی حافظے کے باوجود وہ اس بات کا خاص اہتمام کرتے تھے کہ حدیث رسولؐ میں کوئی دوسری چیز نہ ملنے پائے۔ دوسرے لوگوں کو بھی تلقین کرتے کہ حدیث بیان کرنے میں سخت احتیاط سے کام لو۔ انہوں نے معمول بنا لیا تھا کہ بازار سے گزرتے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر

فرماتے۔
''لوگو! جو شخص مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے جو نہیں جانتا، وہ جان لے کہ میں ابو ہریرہ ہوں۔ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مجھ سے قصداً جھوٹی بات منسوب کی وہ اپنا گھر دوزخ میں بنا لے۔''
یہی شب و روز جاری تھے کہ حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ پھر خیال آیا کہ ابو ہریرہؓ کو ایک مرتبہ پھر بحرین کا امیر بنا کر بھیجا جائے۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بلا بھیجا۔
''میں نے کسی مصلحت کے پیشِ نظر تمہیں بحرین سے واپس بلالیا تھا۔ اب چاہتا ہوں کہ تمہیں اس عہدے پر بحال کرکے دوبارہ بحرین بھیج دوں۔''
''امیر المومنین! میری معذرت قبول کیجئے۔''
''آپ امارت کو ناپسند کرتے ہیں'' حضرت عمرؓ نے فرمایا'' حالانکہ یوسف علیہ السلام نے جو آپ سے بہتر تھے، اس کے لیے اپنی خواہش ظاہر کی تھی۔''
''حضرت یوسف علیہ السلام تو خود نبی تھے اور نبی کے بیٹے تھے۔ میں امیمہ کا بیٹا ابو ہریرہ ہوں۔ میں یہ عہدہ قبول نہیں کر سکتا۔''
''آخر کیوں؟''
''میں دو اور تین سے ڈرتا ہوں۔''
''دو اور تین کا کیا مطلب ہے؟'' حضرت عمرؓ نے متعجب ہو کر پوچھا۔
''دو چیزیں یہ ہیں کہ کہیں لاعلمی اور ناواقفیت کی بنا پر کوئی بات کروں یا بغیر غور و فکر کے کوئی فیصلہ کروں۔ اگر ایسا کیا تو تین چیزیں یہ ہیں کہ میری پیٹھ پر کوڑے پڑیں، میرا مال ضبط کرلیا جائے یا مجھے رسوا کیا جائے۔''
غالباً اسی سے بعض تذکرہ نگاروں نے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ جب پہلی مرتبہ وہ امارت بحرین سے سبک دوش کیے گئے تھے تو حضرت عمرؓ نے ان کا مال ضبط کیا تھا اور احتجاج یا انکار کرنے پر انہیں زدوکوب کیا تھا۔ اس لیے وہ ڈر گئے تھے اور دوبارہ جب ان سے اس عہدے کی قبولیت کے لیے کہا گیا تو انہوں نے معذرت کرنے ہی میں عافیت سمجھی۔
یہ حضرت عمرؓ کی ذات پر سراسر بہتان ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا نصف مال غیر قانونی طور پر ضبط نہیں کیا جارہا تھا جو وہ انکار کرتے۔ رہی اس سوال جواب کی نوعیت جو ان کے اور حضرت عمرؓ کے درمیان دوبارہ بحرین بھیجے جانے کے موقع پر ہوئی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے ان کی پیٹھ پر کوڑے برسائے گئے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ ایک مرتبہ اس عہدے پر فائز رہنے کے بعد انہیں اس عہدے کی نزاکتوں کا علم ہو گیا تھا۔ وہ اس راہ کی صعوبتوں کا ذکر کر رہے ہیں کہ اگر اس عہدے پر رہتے ہوئے کسی سے ذرا بھی چوک ہو گئی تو اسے سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایک مرتبہ میں اس پل صراط سے کامیابی کے ساتھ گزر گیا۔ کیا خبر اگلی بار کیا ہو۔ اس لیے اپنی آزادی ہی بھلی۔ وہ دنیاوی حرص میں بھی مبتلا نہیں تھے کہ ان خطرات کے باوجود اس عہدے کو قبول کر لیتے۔
حضرت ابو ہریرہؓ ایک عالی مرتبت صحابی رسولؐ اور شیدائی رسولؐ تھے۔ انہیں مدینہ میں حافظِ حدیث اور فقیہہ کی حیثیت حاصل تھی۔ ان کے فضائل و مناقب میں حضورؐ کی یہ حدیث کافی ہے۔
''تم میں سے جن لوگوں نے فتح مکہ کے بعد راہِ خدا میں مال خرچ کیے اور جہاد کیا، کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ اور جہاد کیا اگرچہ اللہ نے دونوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔''
حضرت ابو ہریرہؓ نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا، اپنے وطن سے ہجرت کی، ایک غلام آزاد کرنے کی صورت میں اپنا مال خرچ کیا اور سب سے پہلے غزوہ خیبر میں جہاد فی سبیل اللہ کا شرف حاصل کیا۔
اس کے علاوہ یہ بھی کہ حضرت عمرؓ نے اگر ان کے ساتھ زیادتی کی ہوتی تو دونوں بزرگوں کے تعلقات پر اس کا اثر پڑتا لیکن دونوں اسی طرح شیر و شکر رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عمرؓ کی مجلس میں بیٹھنے والوں میں شامل رہے۔ نہ صرف یہ کہ شامل رہے بلکہ حضرت عمرؓ کا اعتماد بھی ان پر بحال رہا۔ ایسے کتنے ہی واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ان پر اعتماد کرتے رہے۔
ایک دفعہ حضرت حسان بن ثابتؓ مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے کہ حضرت عمرؓ ادھر سے گزرے۔ انہوں نے حضرت حسانؓ کو مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع کیا۔ حضرت حسانؓ نے امیر المومنین کو جواب دیا، میں مسجد میں اشعار پڑھا کرتا تھا اور آپ سے بہتر شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) وہاں موجود ہوتے۔ پھر انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ (جو وہاں موجود تھے) سے مخاطب ہو کر کہا اے ابو ہریرہؓ! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے اس موقع پر رسولؐ اللہ کو میرے بارے میں یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ اے حسان! میری طرف سے مشرکین کو جواب دو۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، ہاں میں نے سنا ہے۔ حضرت کی

آپؐ نے ارشاد فرمایا، میرے بعد تم لوگ فتنہ اور اختلاف میں مبتلا ہو گے۔ ایک شخص نے پوچھا اس دور فتن میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ آپؐ نے فرمایا، تم کو اس وقت امین اور اس کے حامیوں کے ساتھ ہونا چاہیے۔"

اس تقریر کو سننے کے بعد کون تھا جو مٹھی بھر باغیوں کو مدینے سے باہر نکال نہ دیتا۔ حضرت عثمانؓ نے اس وقت بھی اپنے حامیوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی۔

آخر باغیوں کی ہمت اتنی بڑھ گئی کہ ایک روز کچھ افراد مکان کے پچھلے حصے سے اندر کود ے اور حضرت عثمانؓ کو اس حالت میں شہید کر دیا کہ وہ تلاوت میں مشغول تھے۔

زمانے کے یہ رنگ دیکھے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے صدمے سے بے حال ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اہل مدینہ خوف سے دروازے بند کیے ہوئے تھے اور ابو ہریرہؓ دل برداشتہ ہو کر کہیں آنے جانے سے قدم روکے ہوئے تھے۔

وہ سمجھ چکے تھے کہ فتنوں کا جو دروازہ کھل چکا ہے، وہ اب بند ہونے والا نہیں۔ اس اندیشے کی تکمیل اس وقت ہو بھی گئی جب حضرت علیؓ کے دور خلافت میں انہوں نے جنگ جمل اور جنگ صفین کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان دونوں جنگوں سے وہ یکسر کنارہ کش رہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے کسی گروہ کا ساتھ نہیں دیا۔ ان جنگوں کے دوران میں وہ رسولِ اکرمؐ کی اس حدیث پر عمل کرتے رہے۔

"رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد فتنے برپا ہوں گے۔ ان میں بیٹھ رہنے والا شخص کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا۔ جس کو بھی ایسے فتنوں کا سامنا کرنا پڑے تو وہ ان کو دبانے کی کوشش کرے اور جس کو پناہ اور امن کی جگہ نظر آئے، وہاں پناہ پکڑے۔"

اس دور میں یہ حدیث وہ اکثر پڑھتے تھے۔

"رسولؐ اللہ نے فرمایا، اے عرب! اس شر سے آگاہ رہو جو جلد آنے والا ہے۔ کامیاب وہ ہوگا جس نے اپنے ہاتھوں کو باندھے رکھا۔"

ان کی گوشہ نشینی جاری تھی کہ وہی ہوا جس کا خطرہ بہت دن سے چلا آ رہا تھا۔ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ بھی شہید کر دیے گئے اور اب حضرت حسنؓ سریرائے سلطنت ہوئے لیکن صرف ایک سال یا اس سے بھی کم میں حضرت حسنؓ، حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کر لی۔

حضرت امیر معاویہؓ چونکہ حضرت عثمانؓ کے طرف داروں میں سے تھے اس لیے حضرت ابو ہریرہؓ کو ان سے ہمدردی تھی۔ چنانچہ جب حضرت امیر معاویہؓ کا دور آیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی معاملاتِ حکومت میں دلچسپی لینی شروع کی۔ مروان بن الحکم مدینے کے والی بنے تو حضرت ابو ہریرہؓ ان سے ملاقات کے لیے ان کے مکان پر گئے۔ ان کے مکان میں تصویریں آویزاں تھیں۔ آپؓ کو جلال آ گیا۔ حق گوئی میں اتنے بے باک تھے کہ یہ بھی خیال نہیں کیا کہ وہ والی مدینہ سے مخاطب ہیں، اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو میری مخلوق کی طرح مخلوق بناتا ہے۔ اگر تخلیق کا دعویٰ ہے تو کوئی ذرۂ غلہ یا جو تو پیدا کر کے دکھائے۔"

مروان شرمندہ بھی ہوا اور ان کی حق گوئی سے متاثر بھی ہوا۔ اس نے وعدہ کیا کہ تصویریں ہٹا دے گا۔ تب کہیں جا کر آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ کچھ دیر باتیں کیں اور اٹھ کر چلے آئے۔

اب آپؓ نے پھر باہر نکلنا اور مسجد میں بیٹھ کر احادیث سنانی شروع کر دیں۔ اب چونکہ رسولؐ اکرم کی وفات کو طویل عرصہ گزر چکا تھا اور ان میں سے بہت سے صحابہؓ رحلت کر چکے تھے جنہوں نے حضور اکرمؐ سے براہِ راست روایات سنی تھیں۔ اس لیے ابو ہریرہؓ کی ذمے داری اور بھی بڑھ گئی تھی کہ حضور اکرمؐ کے ارشادات دوسروں تک پہنچائیں۔ ان کے سامنے یہ حدیث رسولؐ موجود تھی۔

"جس شخص نے نفع دینے والے علم کو چھپایا، قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام دی جائے گی۔"

حضور اکرمؐ نے ابتدائی احادیث کو لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ صرف زبانی دوسروں تک پہنچانے کا حکم دیا تھا لیکن یہ ابتدائی حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ قرآن حکیم کی حفاظت کی جا سکے کیونکہ اندیشہ تھا کہ نئے نئے لوگ جو قرآن سے آشنا ہو رہے تھے، اگر ایک طرف آیات قرآنی کی کتابت کریں گے اور دوسری طرف ارشادات نبویؐ کی تو کہیں آیات قرآنی اور ارشادات نبویؐ خلط ملط نہ کر دیں۔ لیکن جب یہ حالت نہ رہی تو آپؐ نے احادیث لکھنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے

کہ ''میں جو کچھ رسول اللہ سے سنا کرتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا۔ بعض اصحاب نے مجھے ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ رسولؐ خدا کبھی رضا کی حالت میں بولتے ہیں اور کبھی غضب کی حالت میں، تم سب کچھ لکھ لیتے ہو۔ اس پر میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک رسولؐ اللہ سے پوچھ نہ لوں، آپؐ کی کوئی بات نہیں لکھوں گا۔ پھر جب میں نے رسولؐ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا' لکھو، اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔''

حضرت ابورافعؓ نے رسولؐ اللہ سے احادیث لکھنے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے ایسا کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اسی طرح خود حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ''فتح مکہ کے موقع پر آنحضرتؐ نے ایک خطبہ دیا جس میں حرم مکہ کے احکام اور قتل کے معاملے میں چند قوانین بیان فرمائے۔ اہل یمن میں ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ، یہ احکام مجھے لکھوادیں۔ آپؐ نے صحابہؓ کرامؓ کو ہدایت فرمائی کی یہ احکام لکھ کر دے دو۔''

کتابت احادیث کا کام عہد رسالتؐ ہی میں شروع ہو چکا تھا لہٰذا ابوہریرہؓ نے ضروری سمجھا کہ وہ ان ارشادات رسولؐ کو ضابطۂ تحریر میں لے آئیں۔ ان کے بعد ان کو یاد رکھنے والا کون ہوگا؟ انہیں لکھ لینا چاہیے۔

مختلف روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ ابوہریرہؓ نے ابتدا میں اپنے حافظے پر بھروسا کیا لیکن بعد میں وہ انہیں تحریر میں لانے لگے۔ حضرت ابوہریرہؓ کے ایک شاگرد حسن بن عمرو کے بیٹے فضل بن حسنؒ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے سنی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد ایک دفعہ میرے والد نے وہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کو سنائی۔ انہوں نے اس سے لاعلمی ظاہر کی۔ میرے والد نے کہا کہ بہت دن ہوئے میں نے یہ حدیث آپ ہی سے سنی تھی۔ انہوں نے فرمایا اگر یہ حدیث تم نے مجھ سے سنی تھی تو میرے پاس ضرور لکھی ہوئی ہوگی۔ یہ کہہ کر وہ انہیں اپنے گھر لے گئے اور ایک کتاب نکالی جس میں احادیث لکھی ہوئی تھیں۔ ان میں وہ حدیث بھی لکھی ہوئی تھی جو میرے والد نے سنائی تھی۔

یہ احادیث صرف ابوہریرہؓ ہی نے لکھ کر اپنے پاس محفوظ نہیں کیں بلکہ ان کے شاگردوں نے بھی انہیں معرض تحریر میں لاکر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

ان کے ایک شاگرد بشیر بن نہیک کا بیان ہے:

''میں حضرت ابوہریرہؓ سے جو حدیثیں سنتا تھا ان کو لکھ لیتا تھا۔ پھر جب میں نے ان سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو اس کتاب کو لے کر ان کے پاس حاضر ہوا۔ اس کو ان کے سامنے پڑھ کر سنایا پھر پوچھا، یہ وہی حدیثیں ہیں جو میں نے آپ سے سنی ہیں؟ فرمایا ''ہاں۔''

ان کے ان ہی شاگرد نے ایک روایت یوں بیان کی کہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث کی کتابیں لے کر نقل کرتا تھا۔ نقل سے فارغ ہوکر ان کو سب سنا دیتا تھا اور سنانے کے بعد عرض کرتا تھا کہ میں نے جو سنایا ہے، وہ سب آپ نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے؟ وہ فرماتے تھے کہ ہاں۔

خلفائے راشدین کے اس جہان سے اٹھ جانے کے بعد اور اکابر صحابہؓ کے رخصت ہونے کے بعد حضرت ابوہریرہؓ کا دم غنیمت تھا کہ اشاعتِ حدیث اور کتابتِ احادیث کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ان کے سیکڑوں شاگرد تھے جو اس کام کو آگے بڑھا رہے تھے۔ مشتاقان حدیث وقت اور جگہ کا تعین کر کے ان سے حدیثیں سننے کے لیے آتے۔ حضرت ابوہریرہؓ تشریف لے جاتے اور رات بھر لوگوں کو حدیثیں سناتے اور ان کے مفاہیم سے لوگوں کو آگاہ کرتے۔

ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی۔ یہ احادیث دین کے تمام احکام و مسائل اور آداب واخلاق پر محیط تھیں۔ عقائد، عبادات، معاملات، تفسیر، فقہ، جہاد وغیرہ ہر باب میں اتنا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ تعجب کے ساتھ پوچھا جاتا تھا، کیا یہ یمنی شخص ابوہریرہؓ رسولؐ اللہ کے ارشادات کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہے۔ ہم تو اس سے ایسی روایات سنتے ہیں جو دیگر اصحاب سے نہیں سنتے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنی باتیں رسولؐ اللہ سے منسوب کر کے بیان کر رہا ہو؟

ایک مرتبہ خود حاکم مدینہ مروان بن الحکم نے بھی ان سے یہی سوال کیا ''لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں حالانکہ آپ صحبت نبویؐ میں بہت کم عرصہ رہے۔ اس لیے کہ آپ آنحضرت محمدؐ کی وفات سے تھوڑی ہی مدت پہلے مدینہ آئے۔''

حضرت ابوہریرہؓ نے جواب دیا ''ہاں، یہ درست ہے کہ میں رسول اللہ کی خدمت میں غزوۂ خیبر کے موقعے پر حاضر ہوا۔ اس وقت میری عمر تیس سال سے کچھ اوپر تھی۔ پھر میں اس وقت تک سائے کی طرح آپؐ کے ساتھ رہا، جب آپؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ میں آپؐ کے ساتھ آپ

کے گھروں میں جاتا تھا، آپؐ کی خدمت کرتا تھا، آپؐ کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔ آپؐ کی ہمرکابی میں حج کیا، آپؐ کے ساتھ غزوات میں شریک رہتا تھا۔ خدا کی قسم! میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثوں سے واقف ہوں۔ مجھ سے حدیثیں پوچھنے والوں میں عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ جیسے اکابر بھی شامل تھے۔''

مروان اس توضیح سے بھی مطمئن نہیں ہوا۔ اس نے ابوہریرہؓ کا امتحان لینا چاہا۔ اس نے ایک کاتب کو پردے کے پیچھے بٹھا کر حکم دیا کہ میں ابوہریرہؓ سے جو احادیث پوچھوں، وہ جس طرح انہیں روایت کریں تم ان کو لکھتے جانا۔

اس اہتمام کے بعد اس نے حضرت ابوہریرہؓ کو بلا بھیجا۔ آپ تشریف لے آئے تو مروان نے ان سے حدیثیں پوچھنی شروع کیں۔ وہ بیان کرتے جاتے تھے اور کاتب، پس پردہ لکھتا جاتا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ اس اہتمام سے قطعی ناواقف تھے۔

اس واقعے کو ایک سال گزر گیا تو مروان نے ابوہریرہؓ کو پھر بلایا اور کاتب کو پس پردہ بٹھا دیا۔ مروان نے ابوہریرہؓ سے وہی احادیث دوبارہ پوچھیں جو ایک سال پہلے پوچھی تھیں۔ ابوہریرہؓ جواب دیتے رہے اور کاتب پچھلے سال کی مکتوبہ احادیث دیکھتا رہا یہاں تک کہ تمام احادیث سن لیں۔ ابوہریرہؓ نے بلاکم وکاست تمام احادیث اسی طرح بیان کیں جس طرح پچھلے سال بیان کر چکے تھے۔ یہاں تک کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔

مروان بن الحکم قائل ہو گیا۔ اب ایک امتحان اور رہ گیا تھا۔ ایک مرتبہ مروان نے انہیں سو دینار بھیجے۔ انہوں نے قبول کر لیے۔ دوسرے دن مروان نے انہیں پیغام بھیجا کہ جو دینار آپ کو بھیجے تھے وہ کسی اور کے لیے تھے، آپ کو غلطی سے چلے گئے۔ یہ دینار واپس بھیج دیجیے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے پیغام لانے والے کے ذریعے جواب دیا کہ وہ دینار میں نے کسی حاجت مند کو دے دیے۔ انہیں میرے وظیفے سے وضع کر لیجیے گا۔

مروان اس جواب سے بہت خوش ہوا۔ اسے یقین آ گیا کہ ابوہریرہؓ نہ صرف احادیث بیان کرتے ہیں بلکہ وہ ان پر عمل بھی کرتے ہیں۔ ان کی فیاضی اور سیر چشمی کی جتنی کہانیاں اس نے سنی تھیں، وہ سب اسے سچ نظر آنے لگیں۔ وہ اب ان سے ازحد مہربانی سے پیش آنے لگا۔ حاکم کی نظر بدلی اور ابوہریرہؓ کے احترام میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو گیا۔ ایک مرتبہ جب مروان بن الحکم حج پر جانے لگا تو اس نے اپنی جگہ ابوہریرہؓ کو والی مدینہ مقرر کیا۔

ایک دن اہل مدینہ نے دیکھا کہ ابوہریرہؓ لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے گھر کی طرف جا رہے ہیں۔ اہل مدینہ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ تو آج کل والی مدینہ ہیں۔ اس کے باوجود یہ حالت بنائی ہوئی ہے۔ امارت کا فخر و غرور کچھ بھی نہیں۔ وہی سادگی، وہی وضع قطع۔

ایک شخص آگے بڑھا ''یا امیر! آپ مدینہ کے حاکم ہیں۔''

''اے ابومالک!'' حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ ''جب تجھے معلوم ہے تو اپنے امیر کے لیے راستہ کھلا چھوڑ دے۔''

''اللہ آپ پر رحم فرمائے'' ابومالک نے کہا ''راستہ تو آپ کے گزرنے کے لیے کشادہ ہے۔''

''دیکھتے نہیں، تمہارا امیر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے ہے، اس کے لیے راستہ کھلا کر دو'' ابوہریرہؓ نے ہنستے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گئے۔

اب اس شخص کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ اور پوچھتا۔ ابوہریرہؓ نے اس کے سوال کو مذاق میں اڑاتے ہوئے ٹال دیا اور اپنے راستے پر چل دیے۔

اب اہل مدینہ ان کی اس وضع قطع کے عادی ہو گئے تھے۔ وہ امیر مدینہ ہونے کے باوجود اپنا کام خود کر رہے تھے۔ چہرے پر وہی انکسار اور تبسم تھا۔ پیدل چل پھر رہے تھے۔ کبھی سواری استعمال کرتے تو وہی گدھا ان کی سواری بنتا جس کے منہ میں کھجور کی چھال کی لگام ہوتی۔

حضرت ابورافعؓ بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ اپنی امارت مدینہ کے زمانے میں کبھی کبھی مجھے رات کے کھانے کی دعوت دیتے تھے۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ ہنس کر کہتے۔ ''اپنے امیر کے لیے ہڈی تو باقی رہنے دو۔'' حالانکہ روٹی کے ساتھ صرف روغن زیتون ہوتا۔ گوشت کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔

حضرت امیر معاویہؓ بھی ان سے اتنے خوش تھے کہ جب کبھی وہ مروان بن الحکم سے ناراض ہوتے، ان کی جگہ حضرت ابوہریرہؓ کو امیر مدینہ مقرر کر دیتے۔ مختلف روایتوں کے مطابق انہوں نے کئی مرتبہ امیر مدینہ کے فرائض انجام دیے۔

ان کے علم و فضل نے ان کی عظمت میں اضافہ کر دیا تھا۔ شرف صحابیت کے اعتبار سے تمام صحابہ برابر ہیں لیکن

نیک بندے

ایک مرتبہ حضرت ذوالنون مصریؒ رورہے تھے، لوگوں نے جب آپ سے گریہ زاری کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ رات سجدہ حالت میں نیند آ گئی تو خواب میں دیکھا اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے میں نے مخلوق کو دس حصوں میں پیدا کیا اور جب ان کے سامنے دنیا پیش کی گئی تو دس میں سے نو حصے مخلوق دنیا پر فریفتہ ہوگئی اور پھر میں نے ایک حصہ بچی ہوئی مخلوق کو دس حصوں میں تقسیم کیا اور ان کے سامنے جنت پیش کی گئی تو نو حصے اس پر فریفتہ ہو گئے لیکن ایک حصہ اس پر بھی متوجہ نہ ہوسکا۔ پھر میں نے اس ایک حصے کے بھی دس حصے کردیے۔ اور جب ان سے میں نے یہ سوال کیا کہ تم جنت کے طلب گار بنے نہ جہنم سے خوف زدہ ہوئے پھر تم آخر کیا چاہتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ جو کچھ ہم چاہتے ہیں اس سے آپ بخوبی واقف ہیں یعنی ہم صرف تجھ سے دوستی کے خواہاں ہیں۔

عالم فقری کی کتاب ''اللہ دیکھ رہا ہے'' سے

تلاش: رانا ادیب الرحمٰن ڈسٹرکٹ جیل رحیم یار خان

بعض کے خصائص نے انہیں دوسروں پر فضیلت دے دی ہے۔ اس بات پر سب متفق ہیں کہ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کرنے والے جملہ صحابۂ کرامؓ ان سے افضل ہیں جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فتح مکہ کے موقعے پر حضور اکرمؐ کے ہمرکاب تھے۔

کثرت روایت بھی فضیلت کا معیار سمجھا جاتا تھا اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی زندگی کا نمایاں پہلو کثرتِ روایت ہے۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد پانچ ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے۔ کسی اور صحابی کو یہ اعزاز حاصل نہ تھا۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں بارگاہ نبویؐ میں جو مقام ابو ہریرہؓ کو حاصل تھا اس نے بھی ان کی قدر ومنزلت میں اضافہ کر دیا تھا۔ اور پھر جس طرح انہوں نے حضرت عثمانؓ کا ساتھ دیا تھا، حضرت امیر معاویہؓ کی نظروں میں ان کا مقام ومرتبہ بہت بڑھ گیا تھا۔

یہ ان کا اعلیٰ مرتبہ ومقام ہی تھا کہ رمضان المبارک ۵۸ھ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کا وصال ہوا تو ان کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہؓ نے پڑھائی۔ حضرت محمدؐ کی چہیتی بیوی حضرت عائشہؓ بھی اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی مفلسی کا وہ دور یاد آرہا تھا جب وہ بھوک سے نڈھال ہوکر حضرت عائشہؓ کے حجرے کے قریب گر جاتے تھے اور لوگ انہیں مجنوں سمجھ کر ان کے گرد جمع ہوجاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ آنکھیں کھول کر کہتے تھے کہ میں مجنوں نہیں ہوں، میرا یہ حال بھوک کی وجہ سے ہے۔ انہیں وہ دور یاد آرہا تھا جب وہ ام المومنینؓ کے حجرے کے قریب بیٹھ کر احادیث سناتے تھے اور ام المومنینؓ ان کی صداقت کی گواہی دیتی تھیں یا ان کی اصلاح کرتی تھیں۔

وقت نے کتنی کروٹیں بدلی تھیں۔ آنکھوں نے کیسے کیسے نظارے دیکھے تھے۔ اسی مدینہ کے ایک گھر میں انہوں نے دامادِ رسولؐ کا خون بہتے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی آسمان تلے جنگ جمل اور صفین کی جنگ میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں کو تلوار اٹھاتے ہوئے دیکھا تھا اور اب وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے خلیلؐ، ان کے آقاؐ، ان کے حبیبؐ، الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب زوجہ رخصت ہوگئی تھیں۔ اب کیا رہ گیا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اتنا صدمہ ہوا کہ بیمار پڑ گئے اور پھر یہ بیماری طول کھینچتی چلی گئی۔

مدینے کی گلیاں خاموش تھیں۔ ایک آواز جو دن رات گونجتی رہتی تھی، گھر میں بند ہوگئی تھی۔ علمی مجالس، میر مجلس کی صحت یابی کا انتظار کررہی تھیں۔ عیادت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ حضرت ابو ہریرہؓ اس حالت میں بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کررہے تھے لیکن لہجے کی شکست صاف بتارہی تھی کہ اب دنیا سے دل سرد ہو چکا ہے۔

حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن عوفؓ عیادت کے لیے تشریف لائے اور رواج کے مطابق ان کی صحت کے لیے

دعا کی کہ ''اے اللہ، ابو ہریرہؓ کو شفا عطا کر۔''
حضرت ابو ہریرہؓ جو تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، دعا گو ہوئے ''اے اللہ! اب مجھے دنیا میں نہ لوٹا۔''
اس کے بعد حضرت ابو سلمہ بن عبدالرحمٰنؒ سے مخاطب ہوئے ''ابو سلمہ! تمہارے بس میں ہو تو مرنے سے دریغ نہ کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، وہ زمانہ دور نہیں جب لوگ موت کو سرخ سونے کے ذخیرے سے زیادہ محبوب سمجھیں گے۔ تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی کسی مسلمان کی قبر سے گزرے گا تو تمنا کرے گا کہ اے کاش! بجائے اس کے میں اس قبر میں مدفون ہوتا۔''
بیماری طوالت کھینچتی جا رہی تھی، اب ان میں ایک تبدیلی یہ آ گئی تھی کہ بات بات پر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ کبھی کبھی اتنا روتے کہ ہچکی بندھ جاتی۔ عیادت کے لیے آنے والے پوچھتے تو آپ فرماتے۔
''میں اس دنیا کی دلفریبیوں کے چھوٹ جانے پر نہیں روتا، میں تو اس لیے روتا ہوں کہ سفر طویل ہے اور زادِ راہ کم۔ میں اس وقت جنت اور دوزخ کے نشیب و فراز میں ہوں۔ معلوم نہیں کس راستے پر جانا پڑے۔''
جب آپ کو اپنی موت کا کامل یقین ہو گیا تو ایک روز اپنے شاگردوں، احباب اور بیٹوں کو نصیحت فرمائی، یہی ان کی وصیت بھی تھی۔
''میری قبر پر خیمہ نہ لگانا۔ جنازے کے پیچھے آگ لے کر نہ چلنا اور جنازہ لے جانے میں جلدی کرنا۔ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے کہ جب مومن کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو اور جب کافر یا فاجر کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے، مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ اگر میں نیکوکار ہوں گا تو جلد اپنے رب سے ملوں گا۔ اگر بدقسمت ہوں گا تو ایک بوجھ تمہاری گردن سے اتر جائے گا۔''
ابھی آپ اس وصیت سے فارغ ہوئے تھے کہ مروان بن الحکم کی سواری دروازے پر آ کر رکی۔ آپ نے استقبال کے لیے اٹھنے کی کوشش کی لیکن آپ کے صاحب زادوں نے روک دیا۔ صرف اتنا کیا کہ پشت سے تکیے لگا کر بٹھا دیا۔ مروان گھر میں داخل ہوا اور ان کے قریب بیٹھ گیا اور رواج کے مطابق ان کے لیے دعائے صحت کی۔
حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ''اے اللہ! میں تیری ملاقات کا آرزومند ہوں۔ تو بھی میری ملاقات پسند کر۔''
اس کے بعد انہوں نے کوئی گفتگو نہ کی۔ مروان کچھ دیر بیٹھا رہا اور پھر حاضرین سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔ ابھی اس کی سواری بازار تک بھی نہ پہنچی ہوگی کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرشتۂ موت کو خوش آمدید کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔
آپ کی موت کے بعد آپ کی وصیت کی پوری تعمیل کی گئی۔ نماز جنازہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے پڑھائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جنازے کے آگے آگے چل رہے تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ کے لیے دعائے مغفرت کرتے جاتے تھے۔
حضرت عثمانؓ کے صاحب زادوں نے چارپائی کو کندھا دے کر جنت البقیع پہنچایا اور اسلام کے اس عظیم فرزند کو فخ مہاجرین میں سپردِ خاک کر دیا۔
حضرت ابو ہریرہؓ کے سالِ وفات کے بارے میں تین اقوال ملتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق وہ ۵۷ھ میں فوت ہوئے۔ دوسری کے مطابق ۵۸ھ میں اور تیسری کے مطابق ۵۹ھ میں انتقال کیا۔
حضرت عائشہؓ کی وفات ۵۸ھ میں ہونا ثابت ہے اور یہ روایت ملتی ہے کہ ان کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہؓ نے پڑھائی تھی اس کا مطلب ہے وہ ۵۸ھ میں حیات تھے۔
ان روایات کی موجودگی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ آپؓ کی وفات ۵۸ھ کے آخر یا ۵۹ھ بمطابق ۶۷۹ء کے بالکل آغاز میں ہوئی ہوگی۔ اگر ۵۹ھ کو سال وفات تسلیم کیا جائے تو وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۰ برس سے اوپر تھی۔
آپ کی وفات کی خبر جب امیر معاویہؓ کو پہنچی تو انہوں نے حاکم مدینہ کے نام فرمان بھیجا۔
''ابو ہریرہؓ کے پسماندگان کو دس ہزار درہم دو اور ان سے اچھا برتاؤ کرو کیونکہ ابو ہریرہؓ حامیانِ عثمانؓ میں سے تھے اور جب شورش پسندوں نے امیرالمومنین کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا تو وہ ان کے گھر میں موجود تھے۔''

ماخذات:

سیرت حضرت ابو ہریرہؓ، طالب الہاشمی
طبقات ابن سعد
سیر الصحابہؓ